خُداوند مسیح کا پہاڑی وعظ نئے عہدنامے میں وہی بُنیادی حیثیّت رکھتا ہے جو پرانے عہدنامے میں دس احکام رکھتے تھے۔ یہ مسیح کی بادشاہی کی اخلاقی شریعت ہے۔ پہاڑی وعظ دس احکام کو منسُوخ نہیں کرتا بلکہ اُن کی زیادہ گہرائی سے تشریح کرتا ہے۔ جو بھی خُلُوصِ دِل سے اِس کا مطالعہ کر کے اِس کے مطالبات کا اپنی زندگی پر اطلاق کرے وہ اپنی آنکھیں مسیح کی طرف اُٹھانے پر مجبُور ہو جائے گا کیونکہ وہی ہمیں اِس کے مُطابق زندگی بسر کرنے کے قابل بنا سکتا ہے۔

المسیح کے

پہاڑی وعظ کی عملی تشریح

از قلم

چارلس گور

مترجم

وکلف اے۔ سنگھ

ناشرین

ایم۔ آئی۔ کے، ۳۶۔ فیروز پور روڈ، لاہور۔

بار ---------------------- دوم

تعداد ---------------------- پانچ سو

ہدیہ ---------------------- ۲۰ روپے

سنہ ۲۰۰۴ء

مینیجر مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور نے مکتبۂ جدید پریس، لاہور سے چھپوا کر شائع کیا۔

پیش لفظ

اگر کلیسیا کی موجودہ رُوحانی حالت پر نظر ڈالی جائے تو بے حد کمزور دکھائی دیتی ہے ۔ اِس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عام مسیحی تو رہے ایک طرف، کلیسیائی پروگراموں میں بھی کلامِ پاک کی اسٹڈی یعنی تحقیق و تفتیش پر زور نہیں دیا جاتا ۔ نتیجۃً ایک مسیحی کی عملی زندگی میں گہرائی اور گیرائی پیدا نہیں ہوتی اور وہ کلامِ الٰہی میں چھپے ہوئے خزانے سے محرُوم رہتا ہے ۔

بائبل مُقدس میں مُتعدد مُشکل حوالے ملتے ہیں جو ایک قاری سے گہرے مُطالعہ کا تقاضا کرتے ہیں ۔ اِن میں سے ایک پہاڑی وعظ ہے ۔ فاضل مُصنّف نے اِس کا نظرِ عمیق سے مُطالعہ کیا اور پھر اس کی تشریح ایک عام مسیحی کے لئے بڑی سادہ زُبان میں کی تاکہ ہر شخص اِس کی تعلیمات کا اِطلاق اپنی زندگی پر کر سکے اور حقیقتاً ایسی زندگی بسر کرے جو آسمان کی بادشاہی کے ہر شہری کو واقعتاً زیب دیتی ہے ۔

یہ کتاب مُصنّف نے پہلی مرتبہ ۱۸۹۶ء میں شائع کی تھی ۔ اِس کی مقبولیت کا اَندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک یہ کئی بار چھپ چُکی ہے ۔ اِس کی افادیت کے پیشِ نظر اب مسیحی اشاعت خانہ بھی اِسے اُردُو میں شائع کر رہا ہے ۔ ہمیں اُمید واثق ہے کہ اِس تشریح سے مسیحی نہ صرف اِنفرادی طور پر ہی مُستفیض ہوں گے بلکہ کلیسیا مجمُوعی طور پر بھی مسیح میں ترقی کرے گی ۔ ہماری دُعا ہے کہ خُدا اِسے اپنے جلال کے لئے اِستعمال کرے ۔

وِکلف اے سِنگھ

—— مترجم ——

فہرستِ مضامین

پہاڑی وعظ کا تجزیہ

متّی ابواب ۵ - ۷

خُدا کی بادشاہت کے شہریوں کا کردار	۵ : ۳ - ۱۲
دُنیا میں اِس کردار کا مقام	۱۳ - ۱۶
اِس کردار کا پُرانے عہد کی راست بازی کے ساتھ تعلّق	۱۷ - ۴۸
وُہ پُرانے عہد کا تسلسل ہے	۱۷ - ۱۹
وُہ پُرانے عہد کی جگہ لیتا ہے	۲۰ - ۴۸
پُرانے عہد کے ماننے والوں کے لحاظ سے	۲۰
پُرانے عہد کے اپنے معیار کے لحاظ سے	۲۱ - ۴۸
قتل	۲۱ - ۲۶
زِنا	۲۷ - ۳۰
طلاق	۳۱ - ۳۲
قسم	۳۳ - ۳۷
اِنتقام	۳۸ - ۴۲
دُشمنوں سے عداوت	۴۳ - ۴۸
خُدا کی بادشاہت کے شہریوں کا مُحرّک	۶ : ۱ - ۳۴
خُدا کی مقبولیت نہ کہ آدمیوں کی	۱
خیرات کے لحاظ سے	۲ - ۴
دُعا کے لحاظ سے	۵ - ۶

پہلا باب

وعظ

— ۱ —

پہاڑی وعظ کیا ہے؟ یہ یسُوع المسیح کی بادشاہی کی اخلاقی شریعت ہے یا بالفاظِ دیگر اِسے نئے عہدنامہ میں وُہی مقام حاصل ہے جو دس۱۰ احکام یعنی احکامِ عشرہ کو پُرانے عہدنامہ میں ہے۔ یُوں یہ دو۲ اِلٰہی عہدوں میں تعلق کی ایک عُمدہ مثال بن جاتا ہے۔ اِس موضُوع پر اوگسطین نے فرمایا: "اِس بات سے اِنکار کرنا کہ پُرانا اور نیا عہدنامہ ایک ہی صادق اور بھلے خُدا کا کلام ہیں بڑی غلطی ہے۔ دُوسرے لحاظ سے نیا اور پُرانا عہدنامہ ایک ہی سطح پر رکھنا بھی غلط ہے۔" مجموعی طور پر ہم دونوں عہدوں کے آپس کے تعلق کی تعریف اِس طرح کر سکتے ہیں خاص کر جب ہم اخلاقی شریعت پر غور کرتے ہیں: پُرانے عہدنامہ کی اخلاقی شریعت جو دس۱۰ احکام میں بیان ہُوئی ہے، اُسی خُدا کا فرمان ہے جو اب ہم سے یسُوع المسیح کی شخصیت میں ہمکلام ہے، اور یہی شریعت پہاڑی وعظ میں دوبارہ ظاہر ہوتی ہے البتہ زیادہ گہرائی میں اور زیادہ وضاحت سے۔ پہاڑی وعظ احکامِ عشرہ کو منسُوخ نہیں کرتا بلکہ وُہ پہاڑی وعظ میں زیادہ وسیع، گہرے اور مثبت طریقے سے پنہاں ہیں۔

پس یہ پہاڑی وعظ آسمان کی بادشاہت یعنی المسیح کی بادشاہت کی اخلاقی شریعت ہے۔ لوگ اکثر اوقات یسُوع المسیح کے پسِ منظر اور اُس کے ظہُور کے سیاق و سباق کو نظرانداز کرتے ہوئے اُس کے کردار پر زور دیتے ہیں۔ وُہ یہ بھُول جاتے ہیں کہ صِرف المسیح (مَسح کیا ہُوا بادشاہ) ہی جس کی آمد کی پُرانے عہدنامے میں اُمید کی جاتی تھی اِس بادشاہی کا مرکز ہے۔ بادشاہ کے اِردگرد ہی بادشاہی ہُوا کرتی ہے۔ جس طرح بادشاہت بادشاہ کے بغیر نہیں ہوتی اُسی

طرح بادشاہ بادشاہت کے بغیر نہیں ہوتا ۔ یُوں مسیح نے یہ کہہ کر کہ "آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے" اپنے المسیح ہونے کا اعلان کیا یعنی یہ کہ مَیں وُہی خُدا کا مخصوص کردہ بادشاہ ہُوں جس کا اِنتظار تُم کر رہے ہو ۔ اور اب جبکہ اُس نے اپنے اِرد گرد شاگرد جمع کر لئے تھے تو اُس نے اُن کو پہاڑ پر لے جا کر اُس نئی بادشاہی کا اخلاقی آئین صادر کیا جس کی وُہ رعایا بنیں گے ۔ یُوں یہ آئین نہ صرف اِنفرادی طور پر بلکہ مُعاشرتی طور پر شریعت بن جاتی ہے ۔ اگرچہ یہ شریعت شخصی طور پر قبول کی جاتی ہے تاہم یہ ایک نیا اور لاثانی سماجی نظام قائم کرنے کو بھی نافذ ہوتی ہے ۔ یہ ایک بادشاہت کی شریعت ہے، اور بادشاہت آدمیوں کا ایک ایسا سماج ہوتی ہے جو اپنے بادشاہ کے ماتحت ہوتا ہے ۔

یاد رکھیں، یہاں جو کُچھ ہمارے سامنے ہے وُہ شریعت ہے فضل نہیں ۔ پولُس رسُول کی اِصطلاح میں رُوح نہیں لفظ ۔ جب وُہ کہتا ہے کہ "لفظ مار ڈالتے ہیں لیکن رُوح زندہ کرتی ہے" (۲-کرنتھیوں ۳:۶) تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خارجی تحریری حُکم ہمیں بتا سکتا ہے کہ خُدا کی مرضی کیا ہے ۔ وُہ ہمیں خاک میں کُچل کر یہ احساس دِلاتا ہے کہ ہم اُسے پُورا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں ۔ لیکن وُہ اِس سے زیادہ کُچھ نہیں کر سکتا اور یُوں وُہ ہمیں مار ڈالتا ہے ۔ وُہ ہمیں ہمارے گُناہوں اور ہماری بے بسی سے آگاہ کرتا ہے لیکن یہاں پہنچ کر رُک جاتا ہے ۔ ہمارے اندر زندگی ڈالنے کی خاطر وُہ کسی اَور کے لئے جگہ خالی کر دیتا ہے ۔ وُہ زندگی بخش قُوّت رُوح القُدس ہے ۔ پس یُوں شریعت ہمیں ہمارے گُناہوں کے بارے میں بتا کر مار ڈالتی ہے اور رُوح القُدس ہمیں قوت دے کر زندگی دیتا ہے ۔ یاد رہے، اِس طرح "مار ڈالنا" ہمارے لئے اچھا اور ضرُوری بھی ہے ۔ شریعت کے بغیر زندہ رہنا (رومیوں ۷:۹) یعنی روشن ضمیر کے بغیر جُھوٹے اِطمینان میں زندہ رہنا خطرناک حالت ہے ۔ "اگر وُہ روشنی جو تُجھ میں ہے تاریکی ہو تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی!" (متّی ۶:۲۳) ۔ ہمیں سب سے پہلی بات یہ جاننا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے ۔ اور جب ہمیں

عِلم ہوتا ہے کہ ہم اِس لحاظ سے کتنے ناکام ہیں تو ہماری یہ بے بسی ہمیں اِلٰہی مدد کو پُکارنے کے لئے تیار کرتی ہے، جیسے اوگسٹین فرماتا ہے کہ "شریعت اِس لئے دی گئی کہ آدمی فضل کو تلاش کرے اور فضل اِس لئے دیا گیا تاکہ شریعت کی تکمیل ہو"۔ ●

پس پہاڑی وعظ شریعت کی معراج اور مار ڈالنے والے الفاظ کی تکمیل ہے ۔ چونکہ یہ دَس حُکموں کی نسبت زیادہ محیط اور مکمّل ہے اِس لئے یہ ہمیں اَور زیادہ موثر طور پر مار بھی ڈالتا ہے ۔ یہ ہمیں گُناہ کا اور بھی زیادہ شعُور بخشتا ہے ۔ پہاڑی وعظ سے ہمارے اَندر ایک شدید پُکار اُبھرنے لگتی ہے کہ خُدا چونکہ اِن سارے حُکموں کا منبع ہے اِس لئے ہمیں اِن پر عمل کرنے کی توفیق بھی دے ۔ اِنسان کی ضرُورت خُدا کو عمل کرنے کا موقع مُہیّا کرتی ہے ۔ اِلٰہی تقاضے ہمارے ضمیر پر بے حد دباؤ ڈالتے ہیں لیکن ایک ناقابلِ رسائی خُدا کی طرف سے نہیں بلکہ اِلٰہی محبّت کے مُجسّم ہونے کی صُورت میں جو اپنی وفاداری ظاہر کرتے ہُوئے پُکارتی ہے کہ مَیں بُھوکے پیاسوں کو آسُودہ کروں گی اور مانگنے والوں کو جواب دُوں گی ۔ یہاں الفاظ کے سخت مُطالبہ کا قریب ترین تعلق رُوح القُدس کے وعدے کے ساتھ ہے ۔

—۲—

پہاڑی وعظ میں بعض احکامات ایسے بھی ہیں جن کی مشابہت نہ صرف عہدِ عتیق میں نظر آتی ہے جو اِس کی بُنیاد ہے بلکہ غیر مسیحی فلاسفروں اور مُصنفین مثلاً چینیوں میں کھونگ فوچو اور یُونانیوں میں سقراط یا افلاطون میں بھی ۔ اِس وجہ سے بعض اوقات وُہ مسیحی جو اپنے مذہب کی لاثانی شان کے بارے میں غیرت مند ہیں بڑے پریشان ہوتے ہیں ۔ پس جب وُہ "الہامی" اور "غیر الہامی" مُصنّفین یا اِلٰہی اور اِنسانی مقررین میں تطابُق دیکھتے ہیں تو فرض کر لیتے ہیں کہ بے دِینوں نے بھی عہدِ عتیق سے مُستعار لیا

ہے ۔ اُس وقت وُہ یقیناً ایک عظیم حقیقت کو بھول جاتے ہیں ۔ ایک ایسی حقیقت جس سے پہلی صدیوں کے آدمیوں کے ذہن بھرے ہُوئے تھے کہ مسیح وہی کلام ہے جو ہر اِنسان کو ذی عقل بنا دیتا ہے ۔ مسیح وُہی نُور ہے جو تاریخ کی اِبتدا سے اِنتہا تک آدمیوں کے ضمیر اور عقل کو روشن کرتا ہے ۔ چونکہ المسیح اپنے رُوح کے وسیلہ سے لوگوں کے ضمائر میں متحرک رہا ہے ، اِس لئے بنی نوع اِنسان کی تمام اخلاقی نشوونما اور تمام نسلِ اِنسانی کی اخلاقی تعلیم ایک سِلسِلہ بن جاتی ہے ۔ اِس میں ایک ہی رُوح متحرک ہے اور ایک ہی کلام میں اپنا اِظہار کرتا ہے ۔ اِس لئے یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ پہاڑی وعظ کے کئی پارے دُوسری تحریروں میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ خُدا نے اپنے آپ کو بے گواہ نہیں چھوڑا ہے ۔ اِنسان کے دِلوں میں اُس کا کلام اور رُوح اُس کے گواہ ہیں [1] ۔

پس پہاڑی وعظ اور دُوسرے مجمُوعۂ قوانین میں کیا فرق ہے ؟ سب سے اہم فرق یسوعؔ مسیح کے الٰہی کردار اور اُس کے اختیار میں پایا جاتا ہے ۔ "وُہ اُن کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح اُن کو تعلیم دیتا تھا" (متّی ۷ : ۲۹) ۔ اُس کی پُراسرار شخصیّت کا تمام وَزن ، اُس کے طرزِ تخاطب کی تمام شان ، اُس کا رویّہ اور اُس کا اختیار اُس شریعت کی جو اُس نے بیان کی تائید کرتے ہیں ۔ یسوعؔ مسیح کا اختیار نہ صرف ایسی حیثیّت رکھتا ہے کہ لوگ اِس سے مُتاثر ہو کر ڈرتے ہیں بلکہ ایسا ہے کہ لوگ اُس پر خوشی سے اِعتماد کرتے ہیں ۔

---

[1] خاص طور پر دیکھئے یُوحنّا ۱ : ۴ - ۱۲ ؛ رومیوں ۲ : ۱۴ - ۱۶ ؛ اعمال ۱۷ : ۲۲ - ۳۱ ۔

— ۳ —

متّی کی انجیل میں مرقوم پہاڑی وعظ لُوقا کی انجیل میں مُتفرق مقامات پر دِئے گئے حوالوں سے تھوڑے بہت اِختلافات کے ساتھ بہت حد تک مُطابقت رکھتا ہے ۔ مثلاً دیکھئے ۶ : ۲۰ - ۴۹ ؛ ۱۱ : ۱ - ۴ ، ۹ - ۱۳ ، ۳۳ - ۳۶ ؛ ۱۲ : ۲۲ - ۳۱ ، ۵۸ - ۵۹ ؛ ۱۳ : ۲۴ - ۲۷ ؛ ۱۴ : ۳۴ - ۳۵ ؛ ۱۶ : ۱۳ ، ۱۷ - ۱۸ ۔ اِس کی کیا وجہ ہے ؟

متّی رسُول کا طریقہ یہ ہے کہ وُہ آپس میں مِلتی جُلتی باتوں یا واقعات کو جمع کر کے ایک ہی جگہ بیان کرتا ہے ۔ چنانچہ اُس نے معجزات کے گروپ (ابواب ۸ اور ۹) ، سات تمثیلوں کے گروپ (باب ۱۳) ، فریسیوں کی مذمّت کے بارے میں طویل بیان جِسے لُوقا نے دو حِصّوں میں بیان کیا ہے (باب ۲۳) اور آخرت کے بارے میں بیانات کے ایک بڑے گرُوپ (باب ۲۴) کو ایک جگہ رکھا ہے ۔ لہٰذا بڑی حد تک ممکن ہے کہ پہاڑی وعظ میں متّی نے المسیح کے اُن فرمُودات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے جو دَرحقیقت مُختلف موقعوں پر کہے گئے تھے جبکہ لُوقا نے ہر واقعہ کو ترتیب کے مُطابق پیش کرنے اور المسیح کے ہر فرمان کو اُس کے تاریخی سیاق وسباق کے مُطابق پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔

لیکن ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ خُداوند مسیح جیسا عظیم اُستاد یقیناً ایک حقیقت کو مُختلف صُورتوں اور مُختلف نکتۂ نظر کے تحت بیان کرے گا ۔ پس مسیح خُداوند نے ایک بات کو بار بار دُہرایا ہوگا ۔

دُوسرا باب

مُبارک بادیاں

"وُہ اِس بِھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب بیٹھ گیا تو اُس کے شاگرد اُس کے پاس آئے۔ اور وُہ اپنی زُبان کھول کر اُن کو یُوں تعلیم دینے لگا۔

مُبارک ہیں وُہ جو دِل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے۔

مُبارک ہیں وُہ جو غمگین ہیں کیونکہ وُہ تسلّی پائیں گے۔

مُبارک ہیں وُہ جو حلیم ہیں کیونکہ وُہ زمین کے وارِث ہوں گے۔

مُبارک ہیں وُہ جو راست بازی کے بُھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وُہ آسُودہ ہوں گے۔

مُبارک ہیں وُہ جو رحم دِل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائے گا۔

مُبارک ہیں وُہ جو پاک دِل ہیں کیونکہ وُہ خُدا کو دیکھیں گے۔

مُبارک ہیں وُہ جو صُلح کراتے ہیں کیونکہ وُہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے۔

مُبارک ہیں وُہ جو راست بازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ایسوں ہی کی ہے۔ جب میرے سبب سے لوگ تُم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح بُری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تُم مُبارک ہوگے۔ خُوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تُمہارا اجر بڑا ہے اِس لئے کہ لوگوں نے اُن نبیوں کو بھی

جو تُم سے پہلے تھے اِسی طرح ستایا تھا۔" (متّی ۵ : ۱-۱۲)

خُداوند یسوؔع بِھیڑ سے دُور ہونے کے لئے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اُس کے شاگرد بھی وہاں اُس کے پاس پہنچ گئے۔ یہ وعظ اُس نے اُنہی کے سامنے کیا تھا۔ یہ دُنیا کے لئے نہیں، صِرف کلیسیا کے لئے کیا گیا۔ لیکن بِھیڑ نے بھی وہاں پہنچ کر یسوؔع کی باتیں سُنی ہوں گی (متّی ۷ : ۲۸)۔

۱۔ پہاڑی وعظ "مُبارک بادیوں" سے شُروع ہوتا ہے۔ یہ نئی بادشاہت کے شہریوں کے کِردار کو بیان کرتی ہیں یعنی اُس شخص کے کردار کو جو خُدا کی بادشاہی کی آزادی سے لُطف اندوز ہوتے ہُوئے حقیقی خوشی کا وارِث بن گیا ہے۔ یہاں پر کردار کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ فعل یا عمل کو۔ مسیح یہ نہیں چاہتا کہ ہم اِس اِس قِسم کے کام کریں بلکہ یہ کہ ہم اِس اِس قِسم کے لوگ بن جائیں۔ اور جِس کردار کو یہاں بیان کیا گیا ہے یہ بلاشُبہ مسیح خُداوند کا اپنا کِردار ہے جو ہمیشہ ہی اُس کی تعلیمات سے مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے۔ اِس لحاظ سے خُداوند کی تعلیم کا اِطلاق عالمگیر اور اِنفرادی سَطح پر ہو سکتا ہے کیونکہ (۱) یہ تفصیلی احکامات پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک کردار کی تشریح ہے جِس کو تمام ممکن حالات میں سمجھا اور منطبق کیا جا سکتا ہے۔ (۲) یہ صِرف الفاظ میں تشریح ہی نہیں بلکہ ایک زِندہ نمونے کے ساتھ چلتا ہے۔

اور یہی وُہ کِردار ہے جِس کے مُطابق آخر میں ہماری عدالت ہو گی۔ پولُسؔ رسُول کہتا ہے کہ خُدا نے "ایک دِن ٹھہرایا ہے جِس میں وُہ راستی سے دُنیا کی عدالت اُس آدمی (المسیح) کی معرفت کرے گا" (اعمال ۱۷ : ۳۱)۔ اور یُوحنّاؔ رسُول کہتا ہے "جب وُہ ظاہر ہوگا تو ہم بھی اُس کی مانند ہوں گے کیونکہ اُس کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا وُہ ہے" (۱۔ یُوحنّا ۳ : ۲)۔ خُدا کی نظر میں ہماری قدر و قیمت کا اِنحصار اِس بات پر ہے کہ ہم کِس کی مانند ہیں یا ہم کِتنے مسیح کے کردار کی مانند بنتے جا رہے ہیں۔ ہم اِس پر بعد میں

گفتگو کریں گے۔

۲- مُبارکبادیاں، بابرکت زندگی کو بیان کرتی ہیں۔ بالفاظِ دیگر نئی بادشاہی کا شہری ایک ایسا شخص ہے جو مُقدّسہ مریم کے ہم زُبان ہو کر کہہ سکتا ہے "دیکھ اب سے لے کر ہر زمانہ کے لوگ مجھ کو مُبارک کہیں گے" (لُوقا ۱:۴۸)۔

بابرکت زِندگی کا تصوّر ایک عام خیال ہے۔ کِس قسم کی زِندگی زِندگی کہلانے کے لائق ہے؟ وُہ کون سی باتیں ہیں جو زندگی کو بابرکت بناتی ہیں؟ آپ کسی آدمی کو کِس قسم کی زِندگی بسر کرنے پر دلی مُبارک باد دے سکتے ہیں؟ کون اِس قسم کی زِندگی بسر کرنے کے قابل ہے؟

مسیح ہر شخص کے سامنے بابرکت زِندگی کو کھول کر رکھ دیتا ہے۔ وُہ کیسے؟ کیونکہ وُہ ایک شخص کو فوراً خُدا کے سامنے لے جاتا ہے۔ وُہ اُس کی زِندگی کو خُدا پر مرتکز کر دیتا ہے۔ وُہ خُدا کو پُورے طور پر بطور زِندگی کی منزِل اُس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ وُہ خُدا کو زِندگی کی بنیاد کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ نِکلتا ہے کہ وُہ زِندگی کو ابدیت کے پیمانے سے ناپنے لگتا ہے۔

یُوں مسیح خُداوند حقیقی بابرکت کردار کو پیش کر کے دعوت دیتا ہے کہ یہ تمام آدمیوں کے لئے ہے بشرطیکہ وُہ خُدا کے ساتھ حقیقی تعلق اُستوار کریں۔ اِس نقطۂ نظر سے زندگی کے کِسی بھی تلخ واقعے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ بے شک وُہ ہر زِندگی کو تشکیل تو دیتے ہیں لیکن وُہ اُس کے حقیقی طور پر بابرکت ہونے کو چُھو بھی نہیں سکتے۔

ہم اِس سے ایک قدم اور آگے جا سکتے ہیں۔ اگر آپ مُبارک بادیوں کے آخری حِصّے کو پرکھیں تو آپ کو اُن میں بابرکت زِندگی کی اور بھی زیادہ تفصِیل ملے گی۔ ہر ایک مُبارک بادی کا اختتام یہ ظاہر کرتا ہے کہ خُداوند یسوؔع کا بابرکت سے کیا مطلب تھا:

"آسمان کی بادشاہت اُنہی کی ہے ــــ وُہ تسلّی پائیں گے ــــ وہ زمین کے وارث ہوں گے ــــ وُہ آسودہ ہوں گے ــــ اُن پر رحم کیا جائے گا ــــ

وُہ خُدا کو دیکھیں گے ــــ وُہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے"۔ اِن ساتوں بیانات میں سے آخری چھٹے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وُہ پہلے ہی کی تشریح اور توسیع ہیں۔ وُہ آسمان کی بادشاہی میں ممبرشپ کے خیال کو آگے بڑھاتے ہیں۔ بادشاہی میں ممبرشپ آدمیوں اور فِطرت کے ساتھ کامل ہم آہنگی کی زِندگی کا نام ہے جِس کی بنیاد خُدا کے ساتھ کامل رفاقت پر ہے۔ یہی حقیقی برکت ہے اور اِس کا دروازہ سب کے لئے کھُلا ہُوا ہے۔ اِس میں تمام مُشکلات کے بعد تسلّی ہے۔ یہاں وارث ہونے کی تسلّی ہے۔ یہاں یہ خدشہ نہیں کہ مجھے لوٹا دیا جائے گا۔ اِس میں جائز آرزوؤں کے پُورا ہونے کی تسلّی ہے، اِس میں خُدا میں تمام سچائی اور بھلائی اور خوبصُورتی کی رویا ہے اور اس میں آخری اور پُوری شناخت ہے۔ یہ حقیقی برکت ہے۔ یہ وُہ زِندگی ہے جِس کا وعدہ مسیح خُداوند نے اُن تمام لوگوں سے کیا ہے جو خُدا کے ساتھ دُرست تعلق رکھتے ہیں۔

۳- اِن مُبارک بادیوں کے سلسلے میں ایک اور نکتہ ہے جِس پر ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے اور وُہ ہے اُن کی ترتیب۔ مسیح خُداوند ایسی باتوں سے شُروع کرتا ہے جو متناقض اور متضاد لگتی ہیں "مُبارک ہیں وہ جو دِل کے غریب ہیں ــــ غمگین ہیں ــــ حلیم ہیں"۔ بالفاظِ دیگر وُہ پہلے دُنیا کے کِردار سے مُقابلہ کرتے ہُوئے آسمان کی بادشاہی کے رُکن کے کِردار کو بیان کرتا ہے۔ ہم اکثر لفظ "دُنیا" اِستعمال کرتے ہیں۔ پس میں سب سے پہلے اِسی لفظ کو جبکہ اِسے بُرے معنوں میں اِستعمال کیا جاتا ہے بیان کرتا ہُوں۔ بلاشبہ، اِس سے وُہ دُنیا مُراد نہیں ہے جِسے پہلے پہل خُدا نے تخلیق کیا تھا اور جِس کے متعلق کہا تھا کہ "بہُت اچھا" ہے۔ جب "دُنیا" کو بُرے یعنی دُنیادار دُنیا کے معنوں میں اِستعمال کیا جاتا ہے تو آپ اِس کی تعریف اِس طرح کر سکتے ہیں: یہ اِنسانی مُعاشرہ ہے جو اپنے آپ کو خُدا سے الگ منظم کرتا ہے۔ بائبل مقدّس میں "دُنیا" کا یہی مطلب ہے۔ دُنیا اپنی حرص کی وجہ سے جتنی دَولت پر قبضہ کر سکتی ہے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دُنیا

جہاں تک ممکن ہے اپنی خود غرضی کی وجہ سے دُکھ درد سے بچنے کی کوشش کرتی ہے ۔ دُنیا، سب سے زیادہ حلیمی سے گریز کرتی ہے اور کہتی ہے "جہاں تک ممکن ہو اپنے اور اپنے حقوق کے لیۓ لڑو"۔ پس خداوند یسوع حقیقی برکت کو بیان کرتا ہے ۔ پہلے تین میں منفی طور پر : مُبارک ہیں وُہ جو غریب ہیں —— غمگین ہیں —— حلیم ہیں۔ پھر وُہ اُس کی مثبت خصُوصیات کو پیش کرتا ہے یعنی اُس کی راست بازی کے لیۓ زبردست رُوحانی بھُوک کو، اُس کی متحرک اور زور دار رحم دِلی کو، اُس کی یک سوئی یا دِل کی پاکیزگی کو، اور صُلح کی بادشاہت کو ترقی دینے کے لیۓ اُس کے مصمم اِرادے کو۔ آخری مبارکبادی میں اِس سوال کا جواب دیتا ہے کہ اِس قسم کی دُنیا میں ایسے کردار ملنا کیسے ممکن ہے ۔ پھر اِس کا جواب اُن کلمات میں دیتا ہے جو حِکمت کی کتاب کے مُصنّف نے اِستعمال کیۓ تھے جو راست بازی کے خِلاف دُنیا کے رویّہ کو بیان کرتے ہیں :

"آؤ ہم راست کار کے لیۓ کمین لگائیں کیونکہ وُہ ہم پر گراں ہے۔ وُہ ہمارے کاموں کا مقابلہ کرتا ہے ۔ اور شریعت کے عدُول کے لیۓ ہم کو سرزنش کرتا ہے ۔ اور ہمارے چال چلن کے گناہوں کی بابت ہمیں ملامت کرتا ہے ۔ وُہ گمان کرتا ہے کہ خُدا کی معرفت اُس کے پاس ہے۔ اور وُہ اپنے آپ کو خدا کا فرزند کہتا ہے ۔ وُہ ہمارے خیالات کو ملامت کرتا ہے ۔ ہمیں تو اُس کا دیکھنا بھی ناگوار ہے ۔ کیونکہ اُس کی خصلت دُوسروں کی خصلت کے خِلاف ہے ۔ اور اُس کی راہیں اُن کی راہوں سے جُدا ہیں۔ وُہ ہم کو جھُوٹا خیال کرتا ہے اور ہماری راہوں سے ایسے ہی الگ رہتا ہے جیسے کہ گندگی سے ۔ وُہ راست کاروں کے انجام کو مُبارک کہتا ہے ۔ اور فخر کرتا ہے کہ خُدا میرا باپ ہے ۔ پس آؤ ہم دیکھیں کہ آیا اُس کی باتیں سچ ہیں یا نہیں ۔ اور جانیں کہ اُس کا انجام کیسا ہو گا ۔ کیونکہ اگر راستکار

خُدا کا بیٹا ہے تو وُہ اُس کی مدد کرے گا اور اُس کے دُشمنوں کے ہاتھ سے اُسے چھُڑا لے گا ۔ پس آؤ ہم سختی اور عذاب سے اُس کا اِمتحان کریں ۔ تاکہ اُس کی حلیمی معلُوم کریں اور اُس کے صبر کو آزمائیں ۔ ہم اُس پر رُسوائی کی موت کا فتویٰ ڈالیں کیونکہ اُس کے کہنے کے مُطابق اُس کی خبر گیری ہو گی ۔

یہ باتیں اُنھوں نے سوچیں اور گمُراہ ہو گئے کیونکہ اُن کی شرارت نے اُن کو اندھا کر دیا ۔ اور اُنھوں نے خُدا کے بھید نہ جانے ۔ اور پاکیزگی کی جزا کی اُمید نہ رکھی ۔ اور پاک رُوحوں کے ثواب کا یقین نہ کیا ۔ کیونکہ خُدا نے اِنسان کو بقا کے لیۓ پیدا کیا ۔ اور اُسے اپنی ذات کی صُورت پر بنایا ۔ کیونکہ ابلیس کے حسد سے موت دُنیا میں داخِل ہُوئی ۔ پس جو اُس کے گروہ کے ہیں وُہ اُسے چکھ لیں گے" (رومن کیتھولک بائبل : حِکمت ۲ : ۱۲ مابعد) ۔

"جب میرے سبب سے لوگ تُم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بُری باتیں تمُھاری نسبت ناحق کہیں گے تو تُم مُبارک ہو گے ۔ خوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اِس لیۓ کہ لوگوں نے اُن نبیوں کو بھی جو تُم سے پہلے تھے اِسی طرح ستایا تھا" (متّی ۵ : ۱۱-۱۲) ۔

تیسرا باب

مُبارک بادیوں کی تشریح

— ۱ —

"مُبارک ہیں وُہ جو دِل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے" (متّی ۵: ۳)۔

پُرانا عہد نامہ اِس دُنیا کی خود غرضانہ دولت اور اِس سے منسلک ظلم وستم کے بیانات سے بھرا ہؤا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خُدا کے حقیقی دوست اکثر غریب اور مظلوم ہوتے ہیں۔

لُوقا کی انجیل میں مسیح خُداوند نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا "مُبارک ہو تُم جو غریب ہو . . . مگر افسوس تم پر جو دَولت مند ہو" (لوقا ۶: ۲۰، ۲۴)۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام غریب مسیح کے شاگرد نہیں ہیں۔ ایک غریب آدمی بھی دَولت مندوں کی طرح خُود غرض اور لالچی ہو سکتا ہے۔ پس خُداوند یسوؔع گہرائی میں اُترا اور اپنی بادشاہت کے شہریوں کے کردار کو نہ صِرف ظاہری غریبی پر قائم بلکہ اندرونی غریبی یعنی مال ودولت سے بے نیازی پر۔ دُنیا کہتی ہے "جتنا ممکن ہو قبضے میں رکھو" لیکن مسیح کہتا ہے مُبارک ہیں وُہ جو دِل کے غریب ہیں یعنی جِن کے دل حرص اور خُود غرضی سے خالی ہیں۔

عہدِ عتیق میں ایک آیت ہے جو دِل کی اِس غریبی کو بیان کرتی ہے۔ وُہ ایوّب کا فرمان ہے: "خُداوند نے دیا اور خُداوند نے لے لیا۔ خُداوند کا نام مُبارک ہو" (ایوب ۱: ۲۱)۔ یہاں خالص اور مکمل بے نیازی ظاہر ہوتی ہے۔ خُدا نے جو کُچھ ایوب کو دیا اُسے اُس نے خُدا کی حاکمیت کے پیشِ نظر دُرست طریقے سے اِستعمال کیا۔ پھر اُس حاکمِ اعلیٰ نے

جو کُچھ اُسے دیا تھا واپس لے لیا اور ایوب نے برضا ورغبت واپس کر دیا۔ یہ حقیقی بے نیازی ہی دِل کی غریبی ہے: "اگر ہمارے پاس کھانے پہننے کو ہے تو اُسی پر قناعت کریں" (۱-تیمتھیس ۶: ۸)۔

پس یسوؔع کہتا ہے کہ جو اِس طرح دَولت سے بے نیاز ہوں گے وُہ مُبارک ہیں۔

اُس کا اپنا کردار اِس بیان کی وضاحت کرتا ہے۔ وُہ بے نیاز بن گیا۔ تجسّم اپنے آپ کو خالی کرنا ہی تو ہے۔ وُہ اپنے آسمانی جاہ وجلال کے ساتھ چمٹا نہیں رہا بلکہ جیسا کہ پولُس رسُول کہتا ہے "اپنے آپ کو خالی کر دیا" اور "تمہاری خاطر غریب بن گیا" (فلپیّوں ۲: ۷؛ ۲-کرنتھیوں ۸: ۹)۔ اور پھر جب وُہ بحیثیت اِنسان پیدا ہؤا تو کِسی خارجی شے سے چمٹا نہیں رہا۔ اُس نے آرام، ہر دلعزیزی، بڑوں کی نظرِ التفات اور یہاں تک کہ اپنے دوستوں کی ہمدردی کو چھوڑ دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وُہ خُدا کی حضُوری کی تسلّی سے دست کش ہو گیا۔ اُس نے اپنے ہر حق کو بڑبڑائے بغیر چھوڑ دیا۔ یہ اُس نے ترکِ دُنیا کے اصُول کے تحت نہیں کیا، بلکہ خُدا کی تابع فرمانی کرتے ہوئے کیونکہ اُس کے مِشن کا یہی تقاضا تھا۔ وُہ غریبوں سے بھی غریب تر بن گیا، لہٰذا انتہائی معنوں میں "آسمان کی بادشاہت" اُسی کی تھی۔ وُہ پیلاطس کے سامنے اپنی خالی کی ہُوئی حالت میں کھڑا تھا۔ اُس وقت اُس نے کہا "تُو خُود کہتا ہے کہ مَیں بادشاہ ہُوں" (یُوحنّا ۱۸: ۳۷) اور دُنیا کی اخلاقی تمیز نے دیکھا کہ اُس نے سچ کہا۔

پس ہمیں بھی اُس کی مانند سب کُچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ جتنی بے نیازی کے ساتھ ہم خُدا کی حاکمیت کو قبول کر کے اُس کی مرضی کے مُطابق ساری چیزیں پانے اور چھوڑنے کے لئے رضا مند ہو جائیں اُتنی ہی تمام رکاوٹیں جو ہمارے دِل اور زندگی میں اُس کی بادشاہی کو داخل ہونے سے روکتی ہیں دُور ہو جائیں گی۔ جیسے پولُس رسُولوں کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ "ناداروں کی مانند ہیں تو بھی سب کُچھ رکھتے ہیں"۔ دُوسرے مقام پر وُہ مسیحیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ "سب چیزیں تمہاری ہیں" (۲-کرنتھیوں ۶: ۱۰؛ ۱-کرنتھیوں ۳: ۲۱)۔ ہمارے حالات نہیں بلکہ ہمارا

رویہ دُنیاوی نعمتوں سے بے نیازی کے لئے رکاوٹ کا باعث بن جاتا ہے - جب ہم زِندگی کی ضرورِیات سے اِتنے چمٹے رہتے ہیں کہ اُن کے بغیر گُزارہ نہیں ہو سکتا تو یہ نمود و نمائش پر مبنی رویہ اُس دِلی وسعت، اِطمینان، آزادی اور خوشی کو روک دیتا ہے جس کی جڑ خُدا کے ساتھ گہرے تعلق میں ہوتی ہے -

یہ بات کتنی اہم ہے کہ کلیسیا میں ہر وقت ایسے لوگ موجُود ہوں جو نہ صرف اندرُونی طور پر دِل کے غریب ہوں بلکہ ظاہری طور پر بھی - مسیح خُداوند ہر شخص کو بے نیازی کی تلقین کرتا ہے - لیکن ایک نوجوان کو خاص طور پر کہا کہ وُہ اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے دے - پس کلیسیا میں بھی ایسے لوگ ہُوئے ہیں جنہوں نے خُدا اور آدمیوں کی خِدمت کرنے کے لئے رضا کارانہ غریبی اِختیار کی - لیکن جس زمانے میں کلیسیا میں ایسے لوگ نہیں تھے تو اُسے بے حد نُقصان اُٹھانا پڑا -

—۲—

"مُبارک ہیں وُہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلّی پائیں گے" -

مُبارک بادیوں کے موتی ایک سُنہری زنجیر میں پروئے گئے ہیں - ایک مرتبہ پھر مسیح خُداوند دُنیا کے مقبولِ عام قول کی مخالفت کر رہا ہے - دُنیا کہتی ہے "آپ زِندگی سے جِتنا زیادہ لُطف اندوز ہو سکتے ہیں ہوں - جو کُچھ حاصِل کر سکتے ہیں کریں اور جو چیز آپ کو پریشان اور بے چین کرتی ہے اُس سے دُور رہیں - خوش رہیں اور دُکھ درد سے بچیں" - خُداوند یسوع اپنا قول پیش کر کے علی الاعلان اِس کی مخالفت کرتا ہے: "مُبارک ہیں وُہ جو غمگین ہیں" -

اِس کا کیا مطلب ہے؟ دو قِسم کے بڑے غم یا ماتم ہیں جن میں یسوع مسیح کے ہر سچّے خادم کو شامِل ہونا چاہیئے ـــــ ایک گُناہ کے لئے ماتم اور دُوسرا دُکھ درد

کے لئے ماتم - ہمیں گُناہ کے سبب سے غمگین ہونا چاہیئے کیونکہ ہم گنہگار ہیں - یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے حقیقت کو پوشِیدہ رکھیں، اپنے ضمیر پر تکلیف دِہ روشنی کو پڑنے سے روک دیں، جو باتیں دُنیا کی نِگاہ میں روادار خیال کی جاتی ہیں اُنہیں روادار سمجھیں اور جو باتیں عادِتاً کی جاتی ہیں اُنہیں قبول کریں - لیکن مسیح کا شاگرد نُور میں داخِل ہو کر الٰہی کلام کی روشنی کو اپنے دِل میں آنے دیتا ہے - وُہ دِل کی خاموشی میں کوشِش کرتا ہے کہ اپنے آپ کو ایسا دیکھے جیسا یسوع مسیح اُسے دیکھتا ہے - یُوں اُسے توبہ کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے، ایک ایسی توبہ جو مُستقبِل کی نِسبت سے "مقاصد کی تبدیلی" اور ماضی کی نسبت سے حقیقی غمگینی ہوتی ہے ـــــ اُن باتوں کے لئے غمگینی جِن میں ہم خُدا کی مرضی کے خِلاف تھے -

گُناہ کے اِس ماتم کے عِلاوہ دُوسروں کے دُکھ درد میں شریک ہونے کی غمگینی ہوتی ہے - ایسے لمحات آتے ہیں جبکہ ایک ایمان دار مسیحی گتسمنی میں اپنے خُداوند کی طرح صرف "اپنا بوجھ اُٹھانے" (گلتیوں ۶ : ۵) میں مصرُوف ہوتا ہے - لیکن ایک مسیحی اپنے خُداوند یا پولُس رسُول کی طرح اپنے بوجھ کو اِس طرح قابُو میں رکھے کہ اُس کے دِل میں اِتنی جگہ باقی رہے کہ دُوسرے بھی اپنا دُکھ درد وہاں رکھ سکیں - "ایک دُوسرے کا بار اُٹھاؤ" (گلتیوں ۶ : ۲) - مسیح خُداوند کے متعلق لِکھا ہے کہ "اُس نے آپ ہماری کمزوریاں لے لیں اور بیماریاں اُٹھا لیں" (متّی ۸ : ۱۷) - یہ اُس نے صرف صلیب پر ہی نہیں اُٹھائیں بلکہ اُس وقت بھی جبکہ وُہ گلیل اور یہودیہ میں منادی کرتا پھرتا تھا اور بیماری اور دُکھ درد میں مُبتلا لوگ اُس کے پاس آتے تھے - یہ ہمیشہ ہی خطرہ رہتا ہے کہ ہم اپنی اچھی اور خوشحال حالت کے پیشِ نظر دُوسروں کے دُکھ درد میں شریک ہونے سے گریز کریں - لیکن اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو حقیقی پھلداری اور خُوشی سے محرُوم کر لیتے ہیں - "جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کر مر نہیں جاتا اکیلا رہتا ہے لیکن

جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے ۔ جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے وُہ اُسے کھو دیتا
ہے اور جو دُنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے وُہ اُسے ہمیشہ کی زندگی کے لئے محفُوظ
رکھے گا" (یُوحنّا ۱۲: ۲۴ - ۲۵) ۔ "مُبارک ہیں وُہ جو غمگین ہیں" ۔

آپ جتنا زیادہ گُناہ پر افسوس کریں گے اور دُوسروں کے غم میں شریک ہوں گے اُتنا
ہی زیادہ آپ کو خُدا کی ازلی و ابدی تسلّی اور حوصلہ افزائی مِلے گی "تاکہ ہم اُس تسلّی کے سبب
سے جو خُدا ہمیں بخشتا ہے اُن کو بھی تسلّی دے سکیں جو کسی طرح کی مُصیبت میں ہیں"
(۲-کرنتھیوں ۱: ۴) ۔ "دُنیا کا غم موت پیدا کرتا ہے" لیکن "خُدا پرستی کا غم ایسی توبہ
پیدا کرتا ہے جس کا انجام نجات ہے" (۲-کرنتھیوں ۷: ۱۰) ۔ "مُبارک ہیں وُہ جو غمگین
ہیں کیونکہ وُہ تسلّی پائیں گے" ۔

یہاں بطور تنبیہ مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہُوں کہ جس طرح سچّی غمگینی ہوتی ہے اُسی
طرح جھُوٹی غمگینی بھی ہوتی ہے ۔ عین ممکن ہے کہ دُنیا سے مُطمئن نہ ہونے کے باوجُود
ایمان کی وہ دلیری اور ہمّت نہ ہو جو ہماری بے اطمینانی کی اصلاح کرتی اور اُسے پھلدار
بنا دیتی ہے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے اپنے گُناہ کے بارے میں غیر مُطمئن ہونے کے باوجود
ہم سادگی اور حلیمی سے اپنے باپ خُدا کے سامنے اپنے گُناہوں کا اِقرار نہیں کرتے اور اس لئے
مُعافی کی خوشی نہیں پاتے ۔ بے شک ہم مُطمئن نہیں ہوتے لیکن ہماری یہ بے اطمینانی حقیقی
افسوس کی فروتنی نہیں ہوتی بلکہ غرور اور تکبّر ہوتا ہے ۔ اِس قِسم کی بے اطمینانی کو تسلّی
نہیں ملے گی اور نہ وُہ شکر گزاری کے ساتھ خُدا کی مُعافی کی پیش کش کو قبول ہی کرے گی ۔
یعقوب کے کنُوئیں پر خُدا کی مُعافی قبول کرتے ہی سامری عورت کے دِل میں وہی محبّت
اُبھرنے لگی جو شکر گزاری سے پیدا ہوتی ہے (یُوحنّا ۴ باب) ۔

— ۳ —

"مُبارک ہیں وُہ جو حلیم ہیں کیونکہ وُہ زمین کے وارث ہوں گے" ۔

خُداوند اب بھی دُنیا کے معیار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہُوئے بادشاہی کے کردار کو
بیان کر رہا ہے ۔ دُنیا یہ کہتی ہے کہ "اپنے حقوق کے لئے کھڑے ہو جاؤ ۔ اپنے لئے زیادہ
سے زیادہ حاصل کرو ۔ کسی کو اپنے سے آگے نہ بڑھنے دو" ۔ پس ہم ہمیشہ ہی اپنی عزّت و
وقار کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں ۔ ہم ہمیشہ ہی یہ سوچتے ہیں کہ ہماری بے عزّتی کی گئی ہے ۔
ہمارا خُداوند کہتا ہے : "مُبارک ہیں وُہ جو حلیم ہیں" ـــــ حلیم وُہ ہیں جو اپنے حق اور اپنی
عزّت کو کوئی اہمیّت نہیں دیتے ۔ خُداوند یسُوع کا یہی کردار تھا : "نہ وُہ گالیاں کھا کر
گالی دیتا تھا اور نہ دُکھ پا کر کسی کو دھمکاتا تھا بلکہ اپنے آپ کو سچّے انصاف کرنے والے کے
سپُرد کرتا تھا" (۱-پطرس ۲: ۲۳) ۔

بلاشُبہ ایک اور نُقطۂ نظر سے ہمیں وقتاً فوقتاً اپنے حق پر جمے رہنا چاہیئے ۔
مسیح خُداوند اس بات کو تسلیم کرتا ہے جیسے کہ ہم ایک اور آیت میں دیکھیں گے ۔ ممکن
ہے ہمیں کلیسیا اور دُنیا کے اخلاقی نظام کی خاطر اپنے حق پر اڑنا پڑے ۔ لیکن کسی کو اُس
وقت تک حقیقی اِطمینان حاصل نہیں ہوتا یا بات کی تہ تک نہیں پہنچتا جب تک
کہ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ "جب آپ خُدا کے یا مُعاشرے کے خلاف غلط رویّہ اختیار کرتے
ہیں تو اُن کا دِفاع کرنا میرا فرض ہے لیکن جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے آپ
مجھے اشتعال نہیں دِلا سکتے" ۔ یہی وُہ معیار ہے جس تک ہمیں پہنچنا ہے ۔ یہی وُہ
حلیمی ہے جو ہم جیسے گنہگاروں کے لئے مُناسب ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم موت
کی سزا کے حق دار ہیں ۔ ہم اکثر اوقات محسُوس بھی کرتے ہیں کہ ہمارے ہر کام میں کسی
نہ کسی حد تک غلطیاں ہوتی ہیں ۔ لیکن حیرانی کی بات ہے کہ یہ حلیمی اُس لاثانی شخصیّت

میں بھی پائی جاتی ہے جو بے گناہ اور راست باز ہے یعنی یسوع مسیح میں۔

"مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے"۔ یہاں خداوند زبور ۳۷: ۲۹ سے اقتباس کر رہا ہے۔ وارث ہونے کا مطلب کیا ہے؟ وارث وہ شخص ہے جسے ملکیت کا حقیقی حق دیا جاتا ہے۔ اُسے یہ خدشہ نہیں ہوتا کہ کوئی اُسے وہاں سے نکال دے گا۔ وہ اپنی ملکیت کی طرف سے مطمئن رہتا ہے کیونکہ جن چیزوں کا وہ وارث ہے حقیقتاً اُس کی ہیں۔ اب اگر ہم دُنیا میں ایسے مطالبے کرتے ہیں جن کی خدا اجازت نہیں دیتا اور وہ کچھ برداشت نہیں کرتے جو خدا ہمیں برداشت کرنے کو کہہ رہا ہے تو اُس دن جبکہ خدا ظاہر ہوگا ہمیں شرمندگی اُٹھانا پڑے گی۔ ہم نے ایسے مطالبے کئے جن کی اُس نے اجازت نہیں دی، اور ہم وہاں اپنے حق پر جمے رہے جہاں اُس نے جمے رہنے کو نہیں کہا، لہٰذا ہم بے دخل کر دئے جائیں گے۔ لیکن حلیموں کو جنہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے خدا کے سپرد کیا ہؤا ہے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کے پیشِ نظر صرف یہی ہے کہ "دوست! آگے آ کر بیٹھ"۔ چنانچہ وہ اس پوری وراثت میں داخل ہوں گے جو آدمیوں نے تو اُنہیں نہ دی لیکن خدا نے اُن کے لئے رکھی ہوئی تھی۔

—۴—

"مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ
آسودہ ہوں گے"۔

خداوند نے دُنیا کے مقابلے میں اپنے شہریوں کے کردار کا خاکہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ اِس سے پہلے جو کچھ اُس نے بیان کیا وہ کردار کی منفی صورت تھی لیکن اب وہ اُس کی زیادہ مثبت تصویر پیش کرتا ہے۔ نئی بادشاہی کے شہری "راستبازی کے بھوکے اور پیاسے" ہوتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بھوک کیا ہے اور پیاس کا کیا

مطلب ہے۔ یہ ایک ایسی سخت طلب ہے جسے ضرور ہی مطمئن کیا جانا ہوتا ہے ورنہ ہم مر جائیں گے۔ آپ اپنی بھوک اور پیاس کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اِنسانی معاملات میں ہم بار بار دیکھتے ہیں کہ بھوک اور پیاس کیا ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص میں کسی عہدے کی اِشتہا نظر آتی ہے اور وہ اُسے حاصل کرنے پر تُلا ہوتا ہے۔ آخر کار وہ اُس خواہش کو کسی نہ کسی طرح پورا کر ہی لیتا ہے۔ راست بازی کی بھوک بھی جو خداوند کی بادشاہی کے شہری اپنے اندر رکھتے ہیں کچھ اِسی قسم کی ہے۔ راست بازی ایک خصوصیت ہے جو خدا نے ہمارے لئے بھی مقرر کی ہے اور مسیح کی ایک خصوصیت بھی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اُس کے بھوکے اور پیاسے ہوتے ہیں۔

عزیزو! ہم اپنے قصوروں پر غالب نہ آنے کی وجہ سے اکثر مایوسی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ آئیے ہم راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہوں تاکہ ہم آسودہ ہو جائیں۔ اگر آپ سنجیدگی سے نیک بننا چاہتے ہیں تو اگرچہ آپ کی ترقی کی رفتار شاید سُست ہو تاہم بالآخر آپ نیک بن جائیں گے۔ مسیح نے مطمئن کرنے کا وعدہ کیا ہے بشرطیکہ آپ اُس کے خواہش مند ہوں۔ نیکی کی تلاش میں ناکامی نہیں ہوتی، ماسوا جب آپ بھوکے اور پیاسے ہونا بند کر دیتے ہیں یعنی جب آپ چاہنے، دُعا کرنے اور کوشش کرنے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ کیا آپ پورے دِل سے راست بازی چاہتے ہیں؟ تو پھر آپ کو مِل جائے گی۔ اِس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ دِن آنے والا ہے جب کہ آسمان کی بادشاہی یعنی راست بازی، حلیمی اور سچائی کی بادشاہی قائم ہوگی اور دیدنی حقیقت بن جائے گی۔ مبارک ہیں وہ جو یہاں اور اب اپنے میں اور دُنیا میں راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہوتے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔

—۵—

"مُبارک ہیں وُہ جو رحم دِل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائے گا"۔

بلاشُبہ جہاں اِنسانی دُکھ ہیں وہاں اِنسانی رحم بھی ہے ۔ لیکن مسیح کے سوا کسی نے بھی اِسے ایسی مُحرّک قوّت نہیں سمجھا جس کے باعث اپنی زندگی کو بابرکت بنایا جاسکتا اور دُوسری زندگیوں کو خلِصی دِلائی جاسکتی ہے ۔ تاہم رحم ایک ایسا مُحرّک ہے جو مسیح کے شاگردوں کے کاموں کو موثر بناتا ہے ۔ خُدا نے مسیح میں اپنی قُدرت کو زیادہ تر رحم دکھانے میں ظاہر کیا ہے ۔ پُر زور رحم وُہ رحم ہے جو نہ صِرف جذبات بلکہ عملی کاموں میں ظاہر ہوتا ہے ۔ صِرف اِسی قِسم کے رحم کے بارے میں مسیح نے فرمایا ہے کہ "مُبارک ہیں وُہ جو رحم دِل ہیں"۔ نئے عہد نامہ میں ایسے رحم کو جو کُچھ نہیں کرتا ، تباہ کُن ریاکاری بتایا گیا ہے (دیکھئے یعقوب ۲: ۱۵-۱۶؛ ۱-یُوحنّا ۳: ۱۶-۱۸) ۔

یسوُع مسیح فرماتا ہے کہ رحم دِل پر رحم کیا جائے گا۔ یہاں ہمیں اِلٰہی سلوک کا ایک عظیم اصُول مِلتا ہے ۔ خُدا ہمارے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو ہم اپنے ہم جِنس اِنسانوں کے ساتھ کرتے ہیں ۔ عہدِ عتیق میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ "رحم دِل کے ساتھ تُو رحیم ہوگا اور کامِل آدمی کے ساتھ کامِل ۔ نیکوکار کے ساتھ نیک ہوگا اور کج رَو کے ساتھ ٹیڑھا" (زبُور ۱۸: ۲۵-۲۶) ۔ یہ اصُول یسوُع مسیح کی اُس تمثیل میں بھی ظاہر ہوتا ہے جس میں ایک بادشاہ اپنے نوکر کا قرض مُعاف کر دیتا ہے ۔ جب یہ نوکر اپنے مقرُوض ہمخدمت نوکر پر رحم نہیں کرتا تو بادشاہ اُس کا قرض بحال کرتا ہے ۔ اِس سے ہمیں یہ سبق سکھایا گیا ہے کہ جیسا سلوک ہم اپنے ساتھیوں سے کرتے ہیں ویسا ہی خُدا ہمارے ساتھ کرے گا ۔ پھر ہم روزِ آخرت کی نسبت سے مسیح خُداوند کو یہ کہتے سُنتے ہیں کہ "چونکہ تُم نے میرے اِن سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ سلوک کیا اِس لئے

... آؤ میرے باپ کے مُبارک لوگو جو بادشاہی بنای عالم سے تمہارے لئے تیار کی گئی ہے اُسے میراث میں لو" (متّی ۲۵: ۳۴-۴۰) ۔ اِسی طرح دُعائے ربّانی میں ہم دُعا کرتے ہیں : "جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو مُعاف کیا ہے تُو بھی ہمارے قرض ہمیں مُعاف کر" (متّی ۶: ۱۲) ۔ کیا ہم جاننا چاہتے ہیں کہ خُدا آخری دِن ہمارے ساتھ کیسا سلوک کرے گا ؟ اِس کا جواب ہمیں اپنے رویّہ سے مل جائے گا ۔ خُدا ہمارے ساتھ وُہی سلوک کرتا ہے جو ہم دُوسروں کے ساتھ کرتے ہیں ۔

اکثر دُوسروں کے ساتھ ہمارا رویّہ اُن کا ہمارے ساتھ رویّہ متعیّن کرتا ہے ۔ "کسی راست باز کی خاطر بھی مُشکل سے کوئی اپنی جان دے گا مگر شاید کسی نیک آدمی کے لئے کوئی اپنی جان تک دے دینے کی جُرأت کرے" (رومیوں ۵: ۷) ۔ "مبارک ہیں وُہ جو رحم دِل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائے گا"۔

—۶—

"مُبارک ہیں وُہ جو پاک دِل ہیں کیونکہ وُہ خُدا کو دیکھیں گے"۔

اگر ہم بادشاہت میں حِصّہ لیں تو لازم ہے کہ ہم میں یک سوئی ہو ۔ دِل کی پاکیزگی کا مطلب ہمیشہ ہی شہوانی آلودگی کے نہ ہونے کے محدُود معنوں میں لیا جاتا ہے ۔ بے شک یہ پاکیزگی کا ایک اہم پہلو ہے اور مَیں اِس سِلسلے میں بھی کُچھ کہنا چاہتا ہُوں ۔ مُتعدد لوگ ناپاک آزمائش کی وجہ سے پریشان ہیں اور وُہ اکثر ترقی کرنے میں ناکام رہتے ہیں ۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وُہ اگرچہ اِس گُناہ سے چھٹکارا تو پانا چاہتے ہیں لیکن وُہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں نیکی کا پیچھا نہیں کرتے ۔ اگرچہ وُہ زندگی اور دِل کی ناپاکی کو پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ اُن کے ضمیر پر بوجھ بنی رہتی ہے اور اُن کی عزّتِ نفس کو ختم کر دیتی ہے تو بھی وُہ تکبّر یا خود غرضی یا تنگ دِلی سے نفرت نہیں کرتے ۔ لوگ اکثر کہتے ہیں کہ

پاکیزہ زندگی بسر کرنا ناممکن ہے اور یہ اُس وقت واقعی سچ ہے جب کوئی شخص تمام باتوں میں مسیح کی مانند بننے کی کوشش نہیں کرتا۔ ہمیں مسیح کی مانند بننے کے لئے صرف ایک ہی بات میں پاکیزگی حاصل نہیں کرنا ہے بلکہ ہر ایک بات میں پاکیزگی کی ضرورت ہے، کیونکہ مسیح نے دل کی پاکیزگی کو جن معنوں میں استعمال کیا اور جن معنوں میں زبور ۱۵ میں "پاک دل" کا ذکر ہُوا ہے اس کا تعلق "مستقیم رُوح" سے ہے یعنی ایسی رُوح جس کی لَو خُدا سے لگی ہُوئی ہو۔

ایک قدیم کہاوت ہے کہ "گندے برتن میں جو کچھ ڈالو گے خراب ہو جائے گا۔" یہی حال اِنسان کی مرضی کا ہے۔ جب تک اِنسان کی مرضی پُورے طور پر خُدا کے تابع نہ ہو، آپ کی تمام طرح کی اخلاقی کاوشوں کی جڑ میں تلخی و تُرشی ہوگی جس سے تمام زندگی آلُودہ ہو جائے گی۔ مسیح خُداوند کا مطلب ہے "مُبارک وُہ ہیں جو پاکیزگی کے سِلسلے میں یک سُو ہیں" کیونکہ وُہ، اگرچہ اِس وقت خُدا کو نہیں دیکھتے، یا مسیحی عقیدے کی کسی شِق پر بھی ایمان نہیں رکھتے، آخر میں اُنہیں کا حل رویا مِل جائے گی۔ ہاں، وہ سچائی، خُوبصُورتی اور نیکی کے بارے میں جتنی گُنجائش اپنے میں رکھتے ہیں اُس میں مُطمئِن کر دِیے جائیں گے۔ وُہ خُدا کو دیکھیں گے۔

ایک لحاظ سے جب اِنسان کِسی قِسم کی رُوحانی حقیقت سے مُنوّر ہو جاتا ہے تو وُہ خُدا کو دیکھتا ہے (ایُوب ۴۲: ۵)۔ اِس لئے توبہ اور رُوحانی اِستقلال کی ابتدائی ضرورت اور لازمی شرط خُدا کو دیکھنا ہے (عبرانیوں ۱۱: ۲۷)۔ لیکن پُورے معنوں میں خُدا کو دیکھنا بے اطمینانی کا خاتمہ ہے۔ اِس لحاظ سے یہ اُن کے لئے جو اِس دُنیا میں آنکھوں دیکھے سے نہیں بلکہ "ایمان سے چلنے" پر مُطمئِن ہیں اجر ہے۔

ــــ ۷ ــــ

"مُبارک ہیں وُہ جو صُلح کراتے ہیں کیونکہ وُہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے"۔

مسیح سلامتی کا شہزادہ ہے۔ وُہ لوگوں کے درمیان صُلح کرواتا ہے۔ وُہ سب سے پہلے اُن کی بذریعہ کفّارہ خُدا کے ساتھ صُلح کراتا ہے اور پھر آدمیوں، جماعتوں اور نسلوں میں جو جُدائی کی دیوار پائی جاتی ہے اُسے ڈھا دیتا ہے۔ صِرف یہی صُلح کی مضبُوط بُنیاد ہے۔ صُلح کی بہت سی جُھوٹی اور بناوٹی قِسمیں ہیں جنہیں توڑنے کے لئے سلامتی کا شہزادہ آیا۔ "مَیں زمین پر ... صُلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہُوں" (متّی ۱۰: ۳۴) ۔ سچائی کو قربان کر کے حقیقی صُلح خریدی نہیں جا سکتی بلکہ حقیقی صُلح کرنے والا خُداوند یسوع مسیح کی طرح سچائی کے تعاقُب میں رہتا ہے۔

کیا ہم یاد رکھتے ہیں کہ ہمارے خُداوند کو کلیسیا میں پھُوٹ اور تقسیم کو دیکھ کر کتنا دکھ ہوتا ہے؟ مذہبی راہنماؤں میں کتنا حسد اور جلاپا ہے۔ کتنے پاک شراکت لینے والے یہ بھُول جاتے ہیں کہ مسیح کے ساتھ یگانگت کا یہ اِقرار اپنے ہم جِنسوں کے ساتھ یگانگت کا اِقرار بھی ہے۔

مسیحیوں کو مسیح کی صُلح کرانے والے ہونا چاہیئے۔ ہم میں سے ہر ایک افراد میں، خاندانوں میں، جماعتوں میں، کلیسیاؤں میں اور قوموں میں میل ملاپ کرانے والا بن سکتا ہے۔ لیکن سُوال یہ ہے کہ کیا ہم بطور کلیسیا کے رُکن اور شہری اپنے کاموں اور اپنی دُعا کے ذریعہ، اپنے شخصی کردار اور اپنے عام افعال کے ذریعہ صُلح کرانے کی مُناسب و موزُوں کوشش کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو ہم سب سے اعلیٰ برکت کے وارث ہیں یعنی یہ کہ ہم خُدا کے بیٹے ہوں گے اور کہلائیں گے۔

— ۸ —

"مُبارک ہیں وُہ جو راست بازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں
کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے"۔

اب تک مسیحی کردار کی حیرت انگیز دِلکشی کی منظر کشی کی گئی ہے یعنی مال و دولت سے بے نیازی —— اِنسانی دُکھوں کی برضا و رغبت قبولیت —— اپنے ہم جنسوں کے لئے اپنی خودی کا انکار کرنے والی حلیمی اور فروتنی —— راست بازی کی زبردست آرزو —— رحم دِلی —— پاک دِلی —— صُلح کے لئے جستجو۔ لیکن جو اُسے قبول نہیں کرتا وُہ اِس کی خوبصورتی سے ٹھوکر کھا کر اِس کی پاکیزگی کے باعث پتھر دِل ہو جاتا ہے ۔

یُوں اِس کا بڑا عجیب نتیجہ نکلا کہ جب اِس کردار کو لوگوں کے سامنے یسُوع مسیح کی صُورت میں رکھا گیا تو اُنہوں نے اُسے قبول نہ کیا۔ اُنہوں نے اُس پر ظلم و ستم اور تشدد کیا اور قتل کر ڈالا۔ راست باز ہونے کے اِس نتیجے کو پیشِ نظر رکھ کر خُداوند اِس آخری مُبارک بادی کو پیش کرتا ہے۔ وُہ اِس کا واضح اِطلاق اپنے شاگردوں پر کرتا ہے ۔

"جب میرے سبب سے لوگ تُم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بُری باتیں تُمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تُم مُبارک ہو گے۔ خوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تُمہارا اجر بڑا ہے اِس لئے کہ لوگوں نے اُن نبیوں کو بھی جو تُم سے پہلے تھے اِسی طرح ستایا تھا"۔

دُنیا میں مسیحی کردار کا مقام

جُونہی ایک شخص اِس مسیحی کردار کو اپنانے کی سنجیدہ کوشش کرتا ہے ابلیس فوراً

ہی اُس کے ذہن میں یہ خیال ڈال دیتا ہے : "کیا مَیں اُس بات کو اپنانے کی کوشش نہیں کر رہا جس پر عمل کرنا ناممکن ہے ؟ کیا میرے خیالات حد سے زیادہ اُونچے نہیں ہیں؟ اگر مَیں آدمیوں کی مدد کرنا چاہتا ہُوں تو مجھے یقیناً اُن جیسا ہونا چاہیئے۔ اگر مجھے اِس قسم کی دُنیا میں لوگوں کی مدد کرنا ہے تو مجھے اِتنا زیادہ غیر دُنیاوی نہیں ہونا چاہیئے"۔

مسیح خُداوند فوراً ہی اِس قسم کی دلیل بازی کو بھانپ جاتا ہے۔ وُہ فوراً کہتا ہے :

"نہیں، تُم صِرف اُس وقت ہی اُن کی مدد کر سکو گے جب تُمہارے اور اُن کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہو گا۔ تمہیں آدمیوں کی مدد کرنے کے لئے ایسا کردار نہیں اپنانا چاہیئے جسے وُہ اپنے سے تھوڑا بہتر خیال کرتے ہوں بلکہ ایسا کردار جو خُدا کی محبّت سے معمُور ہو۔ ممکن ہے وُہ تھوڑے عرصے تک تُمہارا مذاق اُڑائیں لیکن بربادی کے دِن، اُس دِن جبکہ اُن پر مُصیبت آئے گی، اُس دِن جبکہ اوّلین اصُول ظاہر ہوں گے تو وُہ تُمہارے نمُونے کے لئے خُدا کی حمد و تعریف کریں گے۔ تب وُہ تُمہاری طرف پھریں گے کیونکہ وُہ محسُوس کریں گے کہ اِس میں سچائی ہے اور یہ ایک ایسی شَے ہے جسے حقیقتاً اور اَبدی طور پر حاصل کرنے کی ضرُورت ہے"۔

یُوں مسیح خُداوند سوال کا فوراً ہی جواب دیتا ہے کہ ہماری بگڑی ہُوئی دُنیا ایسے کردار کے وسیلے سے جس کا بیان مُبارکبادیوں میں ملتا ہے کس طرح متاثر ہو گی۔ وُہ فرماتا ہے کہ یہ اپنے مخصُوص ذائقے سے پاک کرے گا، یہ اپنی شان دار سچائی سے خُود کو ظاہر کرے گا، یہ اپنے اردگرد کی دُنیا کے ساتھ مقابلے سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچے گا۔

مُبارکبادیوں کے بعد جو تشبیہات دی گئی ہیں اُن کا یہی مطلب ہے :

"تُم زمین کے نمک ہو لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وُہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا؟ پھر وُہ کسی کام کا نہیں سِوا اِس کے کہ باہر پھینکا جائے اور آدمیوں کے پاؤں کے نیچے رَوندا جائے۔ تُم دُنیا کے نُور ہو۔

جو شہر پہاڑ پر بسا ہے چھپ نہیں سکتا" (متّی ۵: ۱۳ - ۱۴)۔

"تُم دُنیا کے نمک ہو"۔ نمک وُہ ہوتا ہے جو اپنے تیز مخالفانہ ذائقے سے چیزوں کو پاک کرتا ہے۔ "تُم دُنیا کے نُور ہو"۔ روشنی وُہ ہے جو تاریکی میں نمایاں طور پر چمکتی ہے۔ "جو شہر پہاڑ پر بسا ہے" ایک ایسی شے ہے جو تمام علاقے میں لوگوں کی توجّہ کا مرکز بنی رہتی ہے۔

"تُم زمین کے نمک ہو لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وُہ کِس چیز سے نمکین کیا جائے گا؟" اگر مسیحیت کا ذائقہ وُہ نہیں ہے جِس کا وُہ اقرار کرتی ہے تو پھر اُسے کِس سے نمکین کیا جائے گا؟ وُہ اپنے مرتبے اور اثر کو دوبارہ کیسے حاصِل کر سکتی ہے؟ ایسا مسیحی ہونے کا کیا فائدہ ہے جو اپنی ہی باتوں پر عمل نہیں کرتا؟ کیا بہتر نہ ہوتا کہ وہ کبھی مسیحی نہ ہوتا؟ مذہب کے کھوکھلے اِقرار کا کیا فائدہ ہے؟ "وُہ کِسی کام کا نہیں سوا اِس کے کہ باہر پھینکا جائے اور آدمیوں کے پاؤں کے نیچے رَوندا جائے"۔ "نہ تُو سرد ہے نہ گرم۔ کاش کہ تُو سرد یا گرم ہوتا۔ پس چونکہ تُو نہ تو گرم ہے اور نہ سرد بلکہ نِیم گرم ہے اِس لئے مَیں تجھے اپنے مُنہ سے نکال پھینکنے کو ہُوں" (مکاشفہ ۳: ۱۵ - ۱۶)۔ مسیحی اِس لئے زندہ ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی کے فرق کو دُنیا پر ظاہر کریں۔

"چراغ جلا کر پیمانہ کے نیچے نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تو اُس سے گھر کے سب لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے۔ اِسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وُہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں" (متّی ۵: ۱۵ - ۱۶)۔

خُداوند نے فرمایا "جب تک کوئی نئے سرے سے پَیدا نہ ہو"۔ یعنی جب تک اُس میں بنیادی تبدیلی نہیں آتی جسے نئے سرے سے پیدا ہونا کہا جا سکے "وہ خُدا کی بادشاہی کو دیکھ نہیں سکتا"۔ اور اُس نے صفائی سے بتا دیا کہ یہ نئی پیدائش اُس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ ایک شخص سنجیدگی سے خوُد انکاری نہیں کرتا۔

افسوس کی بات ہے کہ اکثر اوقات کلیسیا نے اپنے خداوند کے طریقے کو بُھلا دیا۔ ایسا وقت بھی آیا جبکہ کلیسیا نے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو مسیحیت کے معیار کو کم کرتے ہُوئے بپتسمہ دے کر اپنے میں شامل کر لیا تاکہ شُرکا کی تعداد بڑھ جائے۔ اِس طریقے سے کلیسیا نہایت کمزور ہو گئی۔ کبھی کبھی اِسے دیکھ کر کوئی مزہ نہیں آتا بلکہ قے آتی ہے۔ اِس لئے ہمارے سامنے یہ سُوال اُبھرتا ہے کہ کلیسیا کِس چیز سے نمکین کی جائے گی؟ کیا ہم میں مسیحیت کا مزہ اِس قدر جاتا رہا ہے کہ وُہ ہمیشہ تک لاعلاج ہے۔ خُدا کا شکر ہے کہ کلیسیا لاعلاج نہیں ہے۔ کیونکہ خُداوند یسوعؔ مسیح اِس کا پاسبان ہے۔ لیکن آئیے ہم لوگوں کو سمجھائیں کہ کلیسیا کا ایک اخلاقی معیار ہے، اور اگر وُہ بنجر بننے کی لعنت سے بچنا چاہے تو اُسے اِس معیار کو بحال کر کے اِس پر عمل کرنا پڑے گا۔ صِرف اُس وقت ہی ہم رُوحانی بیداری اور صحت مند کلیسیائی زِندگی کی اُمید کر سکتے ہیں جبکہ لوگ جان جائیں کہ مسیحیت کا اخلاقی معیار کیا ہے ——— ازدواجی زِندگی میں، خاندانی زِندگی میں، کاروبار میں اور سیاست وغیرہ میں۔

چوتھا باب

پُرانی شریعت کی ترمیم

جب مسیح خُداوند نے نئی بادشاہی کے شہریوں کے کردار کو بیان کیا تو یہ اِتنا حیرت انگیز اور متناقض تھا کہ سُوال اُٹھنا لازمی اَمر تھا کہ کیا وُہ انقلابی ہے جو پُرانی شریعت کو تباہ کرنے آیا ہے ؟ اب ہمارا خُداوند اِس سُوال کا جواب دیتا ہے - پہاڑی وعظ کے پہلے باب کا باقی حِصّہ (متّی ۵: ۱۷ - ۴۸) اُس فرق کو بیان کرتا ہے جو نئی بادشاہی کی راست بازی اور مُوسوی شریعت کی راست بازی میں پایا جاتا ہے -

خُداوند یسُوع بیان کرتا ہے کہ نئی شریعت کے پُرانی شریعت کے ساتھ تعلق کے دو ۲ پہلو ہیں - پہلا ، جو کُچھ پہلے ہوُا یہ اُس کا براہِ راست تسلسُل ہے (آیات ۱۷-۱۹) - دُوسرا ، یہ اُس کی جگہ لیتی ہے جیسا کہ ایک مکمّل شَے کِسی نامکمل شَے کی جگہ لیتی ہے (آیات ۲۰ - ۴۸) -

ا - پُرانی اور نئی شریعت کا تسلسُل

"یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسُوخ کرنے آیا ہوں - منسُوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہُوں - کیونکہ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نُقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کُچھ پُورا نہ ہو جائے" (متّی ۵: ۱۷-۱۹) -

یہاں ہمیں اِلٰہی عمل کا ایک اصُول ملتا ہے - خُدا کسی نامکمّل چیز یا عمل سے مایُوس نہیں ہوتا - وہ کِسی ادارے (یا اِنسان) کو جَیسا وُہ ہے نہیں دیکھتا بلکہ یہ کہ وُہ کیا بن

رہا ہے ، اور نہ اُس کی مَوجُودہ کامیابیوں کی سَطح کو بلکہ اُسکے کردار اور اُس کی حرکت کی سَمت کو - ہر ایک شَے جو درُست سَمت میں جا رہی ہے وُہ خُدا کے منصُوبے میں ضرُور ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے گی - یہی حال پُرانے عہد نامہ کا بھی تھا - وُہ نامکمل تھا لیکن اُس کا رُخ درُست سَمت میں تھا - ایرینیس کہتا ہے "احکام ہمارے اور یہودیوں کے لئے یکساں ہیں - پُرانے عہد میں اَحکام وجُود میں آئے اور اُن کا آغاز ہُوا جبکہ نئے عہد میں وُہ ترقی پاکر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں" - اوگسٹین کہتا ہے : "نیا عہد نامہ ، پُرانے عہد نامہ میں مخفی ہے اور پُرانا عہد نامہ ، نئے میں ظاہر ہوتا ہے" - اگر ہم اِس بات کا بغور مشاہدہ کریں تو معلُوم ہوگا کہ عہدِ عتیق کی ہر بات عہدِ جدید میں پُوری ہُوئی ہے - آئیے ہم چار ۴ باتوں پر غور کریں جو عہدِ جدید میں پُوری ہوئی ہیں -

ا - عہدِ عتیق کی پیش گوئیوں کی تکمیل

پُرانے عہد میں ملہم اشخاص نے ایسی بادشاہی کی رویا دیکھی جو مسیح اور اُس کی بادشاہی میں تکمیل کو پہنچی ہے - مزید برآں ، اگر آپ رسُولوں کے اعمال کے آغاز یا متّی کی انجیل پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ اوّلین مسیحی اِس تکمیل کے احساس سے یعنی یہ کہ عہدِ عتیق میں پیش گوئی ہے اور عہد جدید میں اُس کی تکمیل ہے ، کتنے بھرے ہوئے تھے -

ب - رسمی شریعت کی تکمیل

آپ اِس کی قانون سازی کا احبار کی کتاب میں مُطالعہ کریں اور پھر عبرانیوں کے نام خط کو پڑھیں - آپ دیکھیں گے کہ عبرانیوں کا مُصنِّف کِتنے واضح طور پر یہ سکھاتا ہے کہ پُرانی شریعت ظاہری نشان ہے جِس کی مسیح میں رُوحانی تکمیل پائی گئی ہے -

ج۔ اخلاقی شریعت کی تکمیل

آپ عہدِ عتیق میں احکامِ عشرہ کا مقابلہ خداوند کے پہاڑی وعظ یا یعقوب کے خط سے کریں۔ اِن کا ایک دوسرے سے تعلق ایسا ہے جیسا ایک چھوٹا بچہ اور ایک تعلیم یافتہ بالغ آدمی۔ اِس لئے پولُس رسول نے لکھا ہے کہ شریعت غلاموں یا بچوں کو لے پالک یا بالغ ہوتے تک پہنچانے کی تیاری ہے۔

د۔ مثیلوں کی تکمیل

آپ یعقوب اور عیسو کے بارے میں پرانی مشکل سے آگاہ ہی ہوں گے۔ ہم یعقوب کو جو بڑا دھوکے باز تھا کیسے منظور کر سکتے ہیں؟ ہم عیسو کو کیسے نامنظور کر سکتے ہیں جو بڑا دریا دِل اور مَن موجی آدمی تھا؟ اِس کا جواب بڑا گہرا ہے: عیسو کی اضطراری فطرت اچھی منزل تک نہ پہنچی۔ درحقیقت وہ "بے دین" تھا (عبرانیوں ۱۲: ۱۶)۔ ادومی نسل نے جِس کا عیسو جدِ امجد اور مثیل تھا کچھ پیدا نہ کیا، کچھ تبدیل نہ کیا اور کسی بات کو کاملیت تک نہ پہنچایا۔ اِس کے برعکس یعقوب اپنی دروغ گوئی کے باوجود جانتا تھا کہ خدا کے ساتھ عہد میں کیا ہے اور اُس کی نسل نے خدا کی مشابہت میں ترقی کی۔ اِسرائیل اچھی منزل تک پہنچا۔

عہدِ عتیق کے تمام ناکامل عناصر عہدِ جدید میں منزلِ تکمیل تک پہنچے۔ اُنہوں نے ایک خاص مرحلے پر خدا کی مرضی کی نمائندگی کی۔ لہٰذا وہ عزت کے قابل ہیں۔ ہمیں اُن پر اعتماد کرنا چاہئے اور نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ پس مسیح خداوند اپنے شاگردوں کو آگاہ کرتا ہے مبادا وہ نئی تعلیم کے جوش میں بھول جائیں اور پرانی شریعت کی تحقیر کرنے لگیں جِس کے تحت اُن کی پرورش ہوئی تھی۔ کیونکہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جب

آدمی کوئی نئی بات سیکھتا ہے تو وہ یہ دِکھانے کے لئے کہ اُس نے کچھ نیا سیکھا ہے پرانے کی تحقیر کرنے لگتا ہے۔ یوں خداوند یسوع اُن کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ لوگ جو پرانی تعلیم کی چھوٹی موٹی باتیں برباد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اُن کا اُس کی بادشاہی میں درجہ چھوٹا ہوگا اور جو اُس کو درست طریقے سے عزت دیتے ہیں اُن کی قدر بہت زیادہ ہوگی۔

۲۔ کامِل شریعت نامکمل شریعت کی جگہ لیتی ہے

اب خداوند سوال کے دوسرے پہلو کو لیتا ہے۔ پرانی شریعت ناکامل تھی اور نئی شریعت اُس کی جگہ لے گی۔ نئی شریعت پرانی شریعت کی ۲ صورتوں میں جگہ لے گی: پہلی، پرانی شریعت کی شکل وصورت جو اُس کے ماننے والے فقیہ اور فریسی پیش کرتے تھے (آیت ۲۰)۔ دوسری، نئی شریعت پرانی شریعت کی اصل شکل وصورت اور اُس کے اصل اصولوں کی جگہ لے گی (آیات ۲۱ – ۴۸)۔

پرانی شریعت کے ماننے والے

"مَیں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے" (متی ۵: ۲۰)۔

فقیہوں اور فریسیوں نے نبیوں کی تنبیہ نظرانداز کی تھی کہ جب مذہبی رسم و رواج اخلاقی پاکیزگی کے بغیر منائے جاتے ہیں وہ بےپھل اور فضول ہیں۔ یوں اُن کا مذہب بنیادی طور پر خارجی تھا۔ یہ ایک ایسا مذہب تھا جس پر روحانی یا اخلاقی کوشش کے بغیر عمل کیا جا سکتا تھا۔ پس یہ پست معیار پر مطمئن تھا اور ریاکاری کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ چنانچہ خداوند یسوع اپنے شاگردوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ یہ اُمید نہ کریں کہ پرانی شریعت کی ترمیم کے نتیجے میں ایک ایسا مذہب وجود میں آئے گا جو فقیہ اور فریسیوں کے مذہب سے آسان

ہوگا۔ اِس کے برعکس اُس کا فرمانبرداری کا تقاضا گہرا اور دِل کو زیادہ ٹٹولنے والا ہوگا۔

پُرانی شریعت کے اُصُول

خُداوند نہ صِرف ماننے والوں کی طرف اِشارہ کرتا ہے بلکہ خُود پُرانی اخلاقی شریعت پر تبصرہ کرتا ہے۔ اِس طرح اُس کا نئی شریعت سے گہرا تعلق نظر آتا ہے۔

مَیں آپ کی توجہ دو نکات کی طرف دِلانا چاہتا ہُوں جن کا تعلق پُرانی شریعت کی ترمیم سے ہے۔

پہلا، اُستاد کے اِختیار پر غور کریں۔ "اگلوں سے کہا گیا تھا" یعنی خُدا نے مُوسوی شریعت میں خُود کہا تھا کہ تم یہ یا وُہ نہ کرنا "لیکن مَیں تم سے کہتا ہوں"۔ یہ ایک نیا طرز ہے اور اِس کی درُست وضاحت صِرف ایک ہی ہے۔ تمام اَنبیا کہتے تھے کہ "خُداوند یُوں فرماتا ہے"۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ کسی دُوسرے کے الفاظ دُہرا رہے ہیں۔ لیکن یسوع کہتا ہے "مَیں تم سے کہتا ہُوں"۔ یُوں وُہ یہاں یہ اِشارہ کرتا ہے کہ زمین پر جِتنے بھی پیغمبر آئے ہیں وُہ اُن سے مختلِف ہے۔ وُہ شریعت کا سرچشمہ ہے اور وُہ سب سے بڑے قانُون ساز کی آواز میں خُود خُدا کے اِختیار کے ساتھ بول سکتا ہے۔

دُوسرا، اِس بات پر غور کریں کہ جب خُداوند مختلِف اَحکامات کو بیان کرتا ہے تو وُہ ایک ایسے اُصُول کے تحت کرتا ہے جِس کا اطلاق باقی تمام اَحکامات پر بھی ہوتا ہے۔ آپ اُس خصُوصی اُصُول کو لیں جو قتل یا زِناکاری کے بارے میں حُکم سے اُبھرتا ہے اور اُس کا اِطلاق باقی تمام حُکموں پر کریں۔ یہ صِرف ایک مثال ہے جو ثابت کرتی ہے کہ ہمارے خُداوند کا مقصد ہمیں مُشکلات سے بچانا نہیں ہے۔ اُس کا طرزِ تعلیم اِس قِسم کا ہے کہ ہمیں خُود بہت کُچھ کرنا اور احتیاط سے سوچنا اور پرکھنا پڑتا ہے۔ وُہ چاہتا ہے کہ ہم خُود اُس کی بادشاہی میں آزاد شہریوں کی طرح سرگرمِ عمل ہو جائیں۔

قتل کے بارے میں حُکم

"تم سُن چُکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خُون نہ کرنا اور جو کوئی خُون کرے گا وُہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہُوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصّے ہوگا وُہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وُہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو اُس کو احمق کہے گا وُہ آگ کے جہنّم کا سزاوار ہوگا" (متّی ۵:۲۱-۲۲)۔

اِسی کی تشریح کرتے وقت آیئے ہم ۲-تواریخ پر بھی نظر دوڑائیں: "اور اُس نے یہوداہ کے سب فصیل دار شہروں میں شہر بہ شہر قاضی مُقرر کِئے۔ اور قاضیوں سے کہا کہ جو کُچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو کیونکہ تم آدمیوں کی طرف سے نہیں بلکہ خُداوند کی طرف سے عدالت کرتے ہو اور وُہ فیصلہ میں تمہارے ساتھ ہے۔ پس خُداوند کا خوف تُم میں رہے۔ سو خبرداری سے کام کرنا کیونکہ خُداوند ہمارے خُدا میں بے اِنصافی نہیں ہے اور نہ کسی کی رُو داری نہ رِشوت خوری ہے۔ اور یروشلیم میں بھی یہوسفط نے لاویوں اور کاہنوں اور اسرائیل کے آبائی خاندانوں کے سرداروں میں سے لوگوں کو خُداوند کی عدالت اور مُقدّموں کے لئے مقرر کیا"
(۲-تواریخ ۱۹:۵-۸)۔

یہاں بتایا گیا ہے کہ یہوسفط بادشاہ نے یروشلیم میں مرکزی عدالت اور دیگر شہروں میں مقامی عدالتیں قائم کیں۔ یہ اِنتظام مُستقِل تھا۔ پہاڑی وعظ کے حوالے میں جہاں لفظ "عدالت" اِستعمال ہوُا ہے اُس سے غالباً مقامی عدالت مُراد ہے اور جہاں "صدر عدالت" آیا ہے وہاں اِس کا اِشارہ مرکزی عدالت کی طرف ہے جِس کا نام "سنہیڈرن" تھا۔ مقامی عدالتیں دیگر جرائم کے عِلاوہ سزائے مَوت کے جُرم کی بھی سماعت کر سکتی تھیں مگر سب سے سنگین جرائم صِرف صدر عدالت میں ہی پیش کِئے جا سکتے تھے۔ یُوں

جرائم میں درجہ بندی تھی ۔ مزید برآں، یہودی یہ ایمان رکھتے تھے کہ موت کے بعد اُن لوگوں کو جنہوں نے بے اِنتہا گُناہ کئے ہیں بڑی ہولناک سزا ملے گی ۔ جہنّم، وہ جگہ ہے جہاں موت کے بعد گنہگار بطورِ سزا ڈالے جائیں گے ۔ یہ تشبیہاً ہنوّم کی وادی کو یروشلیم کے ساتھ ہی واقع تھی اور جہاں مولک دیوتا کے حضور بطور قُربانی بچّوں کو زندہ جلا دِیا جاتا تھا (۲-سلاطین ۲۳: ۱۰، ۲-تواریخ ۲۸: ۳، ۳۳: ۶) پیش کرتا ہے ۔ یُوں یہودی، عام جرائم کا جو مقامی عدالتوں میں پیش کئے جاتے، خاص جرائم کا جو مرکزی عدالت میں بھیجے جاتے اور ہولناک سزا کا جو موت کے بعد بدترین گنہگاروں کو دی جائے گی اِقرار کرتے تھے ۔

کوئی بھی گُناہ جب تک اُس کا حقیقتاً اِرتکاب نہ کیا گیا ہو، یہودی قانون کے دائرہٗ سماعت میں نہیں آتا تھا ۔ مثلاً جب تک کسی کو سچ مچ قتل نہ کر دیا جائے، جُرم نہیں بنتا تھا ۔ لیکن مسیح خُداوند نے جرُم کے تمام معیار کو بُلند کیا ۔ وُہ عملی گناہوں کے جُرم کو قطعی کوئی اہمیّت نہیں دیتا ۔ اُس کی نئی بادشاہی کے شہریوں میں عملی گُناہ ایسے ہیں گویا کہ اُن کا سُوال ہی پَیدا نہیں ہوتا ۔ جس طرح وُہ حُکموں کی توضیح کرتا ہے اور خاص طور پر قتل کے حُکم کی لیکن اُصُولی طور پر تمام حُکموں کی، ہم اُس کی یُوں تشریح کر سکتے ہیں: نئی شریعت کے تحت، اگر آپ کے دِل میں کینہ وَر غُصّہ ہے تو اُسے ایسے ہی سمجھئے جیسے کہ پُرانی شریعت کے تحت عام قتل کو سمجھا جاتا تھا ۔ اور جب دِل کی یہ کینہ وَری ناپسند اور حقارت جیسے اَلفاظ میں ظاہر ہوتی ہے تو یہ اَور بھی سنگین جرُم بن جاتا ہے اور اِسے وَیسا ہی اخلاقی جرُم سمجھا جائے گا جَیسے کہ قدیم زمانے میں اُس کے مُرتکِب شخص کو سمجھا جاتا اور اُسے صدر عدالت میں پیش کیا جاتا تھا ۔ اور نفرت کا زیادہ سخت اِظہار یعنی کسی کو "احمق" کہنا ایک ایسا گُناہ ہے جو کسی کو ابدی ہلاکت کا سزاوار بنا دیتا ہے ۔ "وُہ آگ کے جہنّم کا سزاوار ہوگا"

خُداوند یسوؔع یقیناً اِستعارہ کنایہ میں بات کر رہا ہے، کیونکہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ

کسی کو اُس کے دِلی خیالات کے باعث زمینی عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن مطلب بالکل واضح ہے ۔ مسیح خداوند دِیدہ دانِستہ خیالات اور احساسات کے گُناہوں کو عملی گُناہوں کی سطح پر پیش کرتا ہے ۔ اور وُہ اَلفاظ جنہیں وُہ اَور بھی زیادہ سنگین تصوّر کرتا ہے وُہ نفرت کا دِیدہ دانِستہ اِظہار ہے ۔ وُہ کہتا ہے اِس گُناہ کے ذریعے اِنسان کی رُوح ہلاک ہو سکتی ہے ۔ یہ ہے وُہ طریقہ جس کے ذریعے وُہ چھٹے حُکم کی توضیح کرتا ہے (اگرچہ اِس کا اِطلاق سب پر ہوتا ہے) ۔ اور پھر وُہ دُوسروں کے ساتھ ہمارے ناراست تعلقات کے بارے میں ہماری ذِمّہ داری کا اِضافہ کرتا ہے اور ہمیں جلد از جلد اُس کا ازالہ کرنے کو کہتا ہے ۔

"اگر تُو قُربان گاہ پر اپنی نذر گُزرانتا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کُچھ شکایت ہے ۔ تو وہیں قُربان گاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آکر اپنی نذر گُزران ۔ جب تک تُو اپنے مُدّعی کے ساتھ راہ میں ہے اُس سے جلد صُلح کر لے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مُدّعی تجھے مُنصف کے حوالے کر دے اور مُنصِف تجھے سپاہی کے حوالے کر دے اور تُو قید خانہ میں ڈالا جائے ۔ مَیں تجھ سے سچ کہتا ہُوں کہ جب تک تُو کوڑی کوڑی ادا نہ کر دے گا وہاں سے ہرگز نہ چھُوٹے گا" (متّی ۵: ۲۳-۲۶) ۔

مسیح خُداوند یہودیوں سے مخاطب ہے جو ہیکل میں اپنی قربانیاں گُزرانا کرتے تھے ۔ وُہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اپنی مذہبی رسُومات کی ادائیگی میں مصرُوف ہو اور اُسے وہاں یاد آ جائے کہ اُس کے بھائی کو اُس سے کُچھ شکایت ہے تو اپنی نذر قُربان گاہ کے سامنے چھوڑ دے اور جلدی سے جا کر اپنے بھائی سے میل ملاپ کر لے اور پھر واپس آکر اپنی نذر گُزرانے ۔ یہ اُسے بڑی شتابی سے کرنا ہوگا ۔ اِس پر ایک دُوسرے اِستعارہ میں بھی

زور دیا گیا ہے۔ قرض کے معاملے میں ہمیں جلدی کرنی ہے، ورنہ قانون گردش میں آ جائے گا اور انتہائی نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پس اخلاقی جرائم میں فوری قدم اُٹھانے اور متعلقہ شخص کو مطمئن کرنے، اپنے ضمیر سے بوجھ اُتار کر آزاد ہونے، اور دیر نہ کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ اخلاقی نتائج اُبھرنے لگیں گے، مسئلہ سنگین بن جائے گا ور آخری نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بے شک وُہ یہودیوں سے ہم کلام ہے لیکن وُہ مسیحیوں سے بھی مُخاطب ہے۔ یہ ئی بادشاہی کا قانون ہے۔ ہماری بھی قربان گاہ ہے۔ ہمیں بھی رُوحانی قربانیاں چڑھانی ور خدا کی پرستش رُوح اور سچائی میں کرنی ہے۔ یُوں پہلی صدی کے یہودی مسیحی خداوند ے اس فرمان کا اطلاق عشائے ربانی پر کرتے تھے۔ "تعلیم الرسل[۱] (دِدَخے) میں یُوں لکھا ہے: "کوئی شخص بھی جس کا اپنے ساتھی کے ساتھ جھگڑا ہے آپ کے ساتھ نہ آئے جب لک کہ اُن کی آپس میں صُلح نہ ہو جائے (متی ۵ : ۲۴ کے الفاظ) تاکہ آپ کی قربانی ناپاک نہ ٹھہرے"۔ ہمیں اِس تعلیم کو یقیناً دِل میں رکھنا چاہیئے کہ ہم ہر اُس بات سے جو ہمارے خدا تک پہنچنے میں رکاوٹ کا سبب بنتی ہے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لیں۔

اگر ہم اِس لائق نہیں تو بھی ہمارا خداوند ہمیں مذبح کے پاس آنے سے نہیں روکتا۔ لیکن وُہ یہ بھی کہتا ہے کہ تُم اپنے آپ کو اِس لائق بناؤ اور وُہ بھی جلد از جلد۔ "قربانگاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے" لیکن آپ اُسے زیادہ دیر تک نہیں چھوڑ سکتے۔ وُہ وہاں پڑی ہُوئی ہے۔ آپ کا کام ابھی مکمل نہیں ہُوا ہے۔ لہٰذا جلد واپس آئیں اور اُسے مکمل کریں۔

---

[۱] یُونانی زُبان میں کلیسیائی نظام اور مسیحی اخلاق پر ایک ہدایت نامہ جو دِدَخے کے نام سے مشہور ہُوا۔ دیکھئے قاموس الکتاب صفحہ ۳۹۷۔

ایک اور نکتہ ہے۔ مسیح خداوند کلام کے اِس حصّے میں لفظ "بھائی" استعمال کرتا ہے۔ یہ اِصطلاح کلام میں اُن لوگوں کے لئے استعمال ہُوئی ہے جو عہد میں شامل ہیں۔ پُرانی شریعت میں یہودیوں کے لئے اور نئی شریعت میں مسیحیوں کے لئے۔ چنانچہ ہمارا خداوند یہاں ایک مسیحی کے دُوسرے مسیحی کے ساتھ تعلق کی طرف اِشارہ کر رہا ہے جو کہ خدا کی مشترکہ پدریت میں ایک دُوسرے کے بھائی ہیں۔ اگرچہ وسیع معنوں میں تمام انسان ایک دُوسرے کے بھائی ہیں لیکن مسیح خداوند اُن لوگوں کے لئے کہہ رہا ہے جو حقیقت میں بھائی ہیں۔

زِنا کاری کے بارے میں حُکم

"تم سُن چُکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زِنا نہ کرنا۔ لیکن مَیں تُم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دِل میں اُس کے ساتھ زِنا کر چُکا" (متی ۵ : ۲۷-۲۸)۔

یہاں خداوند ایک نئے اُصُول پر روشنی ڈالتا ہے۔ وُہ دِل کی اُس خواہش کو جو گُناہ کرنے کی دِیدہ دانِستہ نیّت کے نکتہ تک پہنچ جاتی ہے گناہ بیان کرتا ہے۔ یہاں جس آدمی کا بیان ہو رہا ہے اُس کا پہلے سے گُناہ کرنے کا ارادہ ہے، اِس لئے اپنی ہوس پُوری کرنے کے لئے وُہ عورت پر نظر کرتا ہے لیکن شاید موقع نہ ملنے یا نتائج کے خوف سے عمل نہیں کرتا۔ خیالات اور تصوّرات میں وُہ زِنا کر چُکا ہے۔ خُداوند کہتا ہے کہ اگر ایک شخص گُناہ کرنا چاہتا ہے اور دیدہ دانستہ اپنے میں گُناہ کو تحریک دیتا ہے تو خواہ حالات کی وجہ سے وُہ اُس پر حقیقتاً عمل نہ بھی کر سکے تو بھی وُہ اُس فعل کا مُرتکِب ہو چُکا ہے۔ یہ بھی ایک ایسا اصُول ہے جس کا اطلاق ساتویں حُکم کے علاوہ باقی تمام حُکموں پر بھی ہوتا ہے۔

پھر جنسی پاکیزگی میں مشکل کے پیشِ نظر خُداوند ضبطِ نفس کے سلسلے میں چند ضروری اقدامات پر عمل کرنے کو کہتا ہے جو گُناہ کا مُرتکب ہونے سے بچائیں گے:

"اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنّم میں نہ ڈالا جائے۔ اور اگر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنّم میں نہ جائے" (متّی ۵: ۲۹-۳۰)۔

یہاں خُداوند ضبطِ نفس کے لئے چند اہم اصُول مقرر کرتا ہے اور ہمیں اُن میں سے بعض نکات پر احتیاط سے نظر ڈالنی چاہیئے۔

۱۔ خُدا نے ہماری ذات کے تمام پہلوؤں کو ترتیب دیا ہے۔ خُدا چاہتا ہے کہ ہم اپنی جبلتوں کو آزادی سے استعمال کرنے کے قابل ہوں۔ لیکن اگر ہمیں معلوم ہو کہ ہماری زندگی کے کسی ایک پہلو میں نقص ہے اور وُہ ہمارے وجُود کی جڑوں کو کھا رہا ہے تو ہمیں اُسے بروئے کار لانے سے باز رہنا ہے۔ ایک محدُود زندگی، جڑوں میں غیر محفوظ زندگی سے بہتر ہے۔ اگر کوئی چیز ہمیں کسی ایسی آزمائش کی طرف لے جاتی ہے جس کا مُقابلہ ہم نہیں کر سکتے تو ہمیں اُس سے ہر قیمت پر دستبردار ہو جانا ہے۔

اِس اُصُول کا اطلاق، اُن سُوالات پر جو آج کل عموماً اُبھرتے رہتے ہیں آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کیا سینما جانا جائز ہے؟ کیا یہ یا وُہ موسیقی یا لٹریچر مناسب اور صحیح ہے؟ اِن سُوالات کا جواب کسی حد تک بُنیادی اُصُولوں کے تحت دیا جا سکتا ہے۔ سب سے اہم سُوال یہ ہے کہ اِس کا مُجھ پر کیا اثر ہوتا ہے؟ کیا یہ میرے اندر کسی بُری چیز کو اُبھارتی ہے؟ کیا یہ میری اخلاقی فطرت کو نقصان پہنچاتی ہے؟ کیا یہ مجھے گُناہ

کی طرف راغب کرتی ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہو تو پھر مجھے کوئی حق نہیں کہ میں بُنیادی اُصُولوں کے تحت اِنہیں اپنے لئے جائز قرار دُوں۔ خُداوند کے پیشِ نظر جو خطرہ ہے وُہ اخلاقی سُستی کا ہے اور اِس کی تنبیہ بڑی سنجیدہ ہے۔ اگرچہ خُداوند اِستعاروں میں بات کر رہا ہے مگر ایسے استعاروں میں جو اپنے میں بے حد حقیقت رکھتے ہیں۔ وُہ کہتا ہے کہ لنگڑی لُولی زندگی بسر کرنا اِس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنی تمام اِستعداد کے ساتھ اخلاقی مَوت مَر جائیں۔

۲۔ ہمیں اب بھی تارکُ الدُّنیا لوگ نظر آتے ہیں جن کی ترکِ دُنیا کی بُنیاد اِس خیال پر ہے کہ بدن بذاتہٖ بُرا ہے اور کہ رُوحانی بننے کے لئے مادّی باتوں سے علیحدگی ضرُوری ہے۔ یہ مسیحی تصوُّر نہیں ہے۔ مسیحی تصوُّر یہ ہے کہ کُل کائنات بشمول ہمارے جسم اچھی ہے۔ ہمیں اپنی شخصیّت کے کسی حِصّے کو مُردہ کرنے کی ضرُورت نہیں گویا کہ وُہ کوئی بُری شے ہو جس سے چھٹکارا پانا لازمی ہے۔ تمام مسیحی خُود ضبطی کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی پُوری فطرت میں آزادی پائیں۔ آزادی وہاں ہی ممکن ہوتی ہے جہاں عقلی کنٹرول ہو۔ یُوں اِس سے پیشتر کہ ہماری پُرانی اِنسانیت ہماری نئی اِنسانیت پر حُکم چلانے لگے آیئے ہم ہر چیز قُربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

اِس کے بعد ساتوں احکام کی تشریح کے نتیجہ کے طور پر خُداوند طلاق کے سُوال کو لیتا ہے:

"یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اُسے طلاق نامہ لکھ دے۔ لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وُہ اُس سے زِنا کراتا ہے اور جو کوئی اُس چھوڑی ہُوئی سے بیاہ کرے وُہ زِنا کرتا ہے" (متّی ۵: ۳۱-۳۲)۔

یہُودیوں میں طلاق کا قانُونِ اِستثنا ۲۴: ۱-۲ میں دیا گیا ہے:

"اگر کوئی مَرد کسی عَورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اُس میں کوئی ایسی

بے ہُودہ بات پائے جس سے اُس عورت کی طرف اُس کی التفات نہ رہے
تو وُہ اُس کا طلاق نامہ لکھ کر اُس کے حوالہ کرے اور اُسے اپنے گھر سے نکال
دے - اور جب وُہ اُس کے گھر سے نکل جائے تو وُہ دُوسرے مرد کی
ہو سکتی ہے"-

اِس کی جس طرح یہُودی روایات میں تشریح کی گئی ہے اُس سے مردوں کو طلاق دینے
کی بہت آزادی مل گئی جس کو خُداوند یہاں ختم یا محدُود کر دیتا ہے - اِس موضوع کا اعادہ
متّی ۱۹ : ۳-۹ میں بھی کیا گیا ہے :

"اور فریسی اُسے آزمانے کو اُس کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا ہر ایک
سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا رَوا ہے ؟ اُس نے جواب میں کہا کیا تُم نے
نہیں پڑھا کہ جس نے اُنہیں بنایا اُس نے اِبتدا ہی سے اُنہیں مرد اور عورت
بنا کر کہا کہ اِس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جُدا ہو کر اپنی بیوی
کے ساتھ رہے گا اور وُہ دونوں ایک جسم ہوں گے ؟ پس وُہ دو نہیں بلکہ
ایک جسم ہیں - اِس لئے جسے خُدا نے جوڑا ہے اُسے آدمی جُدا نہ کرے - اُنہوں
نے اُس سے کہا پھر مُوسیٰ نے کیوں حُکم دیا ہے کہ طلاق نامہ دے کر چھوڑ دی
جائے ؟ اُس نے اُن سے کہا کہ مُوسیٰ نے تُمہاری سخت دِلی کے سبب سے
تُم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی مگر ابتدا سے ایسا نہ تھا -
اور مَیں تُم سے کہتا ہُوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور
سبب سے چھوڑ دے اور دُوسری سے بیاہ کرے وُہ زنا کرتا ہے اور
جو کوئی چھوڑی ہُوئی سے بیاہ کرلے وُہ بھی زنا کرتا ہے"-

یہاں ہم سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ خُداوند یسُوع اعلان کرتا ہے کہ اُس کی
بادشاہی کے قانون کے مُطابق شادی ناقابلِ تنسیخ ہے - پس یہ صاف ظاہر ہے کہ مسیحیوں

کے بارے میں خُداوند کے اِس قانون کو کوئی پارلیمنٹ یا بادشاہ تبدیل نہیں کر سکتا - اور اگر
کوئی خادِمُ الدّین اِنسان کے حُکم کو خواہ وُہ کتنے ہی بُلند مقام پر فائز کیوں نہ ہو مسیح کی شریعت
پر ترجیح دیتا ہے تو وُہ ایک ایسا رویّہ اختیار کر رہا ہے جو اُسے مسیح کے اِن الفاظ کے تحت
لے آتا ہے جو اُس نے بڑی سنجیدگی سے کہے تھے کہ "جو کوئی اِس زِنا کار اور خطا کار قوم میں مُجھ
سے اور میری باتوں سے شرمائے گا ابنِ آدم بھی جب اپنے باپ کے جلال میں پاک فرشتوں
کے ساتھ آئے گا تو اُس سے شرمائے گا" (مرقس ۸ : ۳۸) - پس کلیسیا اور ایسے تمام
لوگوں کو جو مسیحی کہلاتے ہیں اُس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو طلاق دے کر اُس کی
زندگی ہی میں مسیح کے قانون کے برخلاف دُوسری شادی کر لیتا ہے ایسے سمجھنا چاہئے کہ
گویا اُس نے دوبارہ شادی نہیں کی ہے - یہ دُرست ہے کہ ممکن ہے بعض حالات میں
ایک شخص کے لئے شادی کا ناقابلِ تنسیخ ہونا بے حد دباؤ کا باعث بنے - لیکن وہ تمام
قوانین جن کا تعلق اِنسان کی فلاح و بہبُود سے ہے ایسے ہی ہیں - خُداوند کے الفاظ بالکل
صاف اور واضح ہیں - وُہ جو بیشتر موضُوعات پر قانون سازی سے اِنکار کرتا ہے اُس
نے اِس موضُوع پر قانون سازی کی ہے - لیکن یہاں ایک سادہ سا سُوال یہ اُٹھتا ہے
کہ کیا ہم کسی دُوسرے کے حُکم کو خواہ وُہ کوئی بھی کیوں نہ ہو مسیح کے حُکم پر ترجیح دیں گے !
لیکن اِن دونوں حوالوں میں خُداوند ایک اِستثنائی حالت یا لچک کو بھی بیان کرتا
ہے اور وُہ اِستثنائی حالت ایک طرح سے اجازت لگتی ہے - بالفاظِ دیگر وُہ ایسے شخص
کو جس نے حرامکاری کے باعث اپنے ساتھی کو چھوڑ دیا ہے دوبارہ شادی کرنے سے
منع نہیں کرتا -

اِس لچک کے زور کو ختم کرنے کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں - لیکن مُصنّف کے
نزدیک وُہ تسلّی بخش نہیں ہیں - سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اِس لچک کا
لُوقا کی اِنجیل یا پولُس رسُول کے خطُوط میں جہاں شادی کو بیان کیا گیا ذِکر نہیں مِلتا - لیکن

تفسیر کا اصول یہ ہے کہ جس حکم کے ساتھ خاص قید لگائی جاتی ہے وُہ اس عام حکم کی جس پر
قید نہیں لگائی جاتی تفسیر کرتا ہے ۔ ہم اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ پولُس
رسُول کے خطوط میں جس حوالے میں شادی کے ناقابلِ تنسیخ قانون کو بیان کیا گیا ہے (رومیوں
۷: ۱-۳) اگرچہ وُہ وہاں یہوُدی شریعت کا حوالہ دے رہا ہے (دیکھئے آیت ۱) جس میں
واضح طور پر لچک پائی جاتی ہے تو بھی وُہ اُس کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہے ۔

قسم کھانے کے بارے میں حکم

"پھر تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھُوٹی قسم نہ کھانا بلکہ
اپنی قسمیں خُداوند کے لئے پُوری کرنا ۔ لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہُوں کہ بالکل
قسم نہ کھانا ۔ نہ تو آسمان کی کیونکہ وُہ خدا کا تخت ہے ۔ نہ زمین کی کیونکہ
وُہ اُس کے پاؤں کی چوکی ہے ۔ نہ یروشلیم کی کیونکہ وُہ بزرگ بادشاہ کا شہر
ہے ۔ نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیونکہ تُو ایک بال کو بھی سفید یا کالا نہیں کر
سکتا ۔ بلکہ تمہارا کلام ہاں ہاں یا نہیں نہیں ہو جو اس سے زیادہ ہے وُہ
بدی سے ہے" (متیّ ۵: ۳۳-۳۷) ۔

یہ حکم جب عہدِ عتیق کے دیگر حوالوں کے ساتھ (احبار ۱۹: ۱۲؛ استثنا ۶: ۱۳؛
عاموس ۸: ۱۴) پڑھا جاتا ہے تو یہ اسرائیلیوں کو صرف یہوواہ کی قسم کھانے کی اجازت
دیتا ہے اور قسم کھانے والے کو اس کو پورا کرنے کا پابند بنا دیتا ہے ۔ خداوند اس حکم کو
بحال رکھتا ہے بلکہ اِسے اَور بھی گہرائی میں لے جاتا ہے (متیّ ۲۳: ۱۶-۲۰) ۔
ہم جو قسم کھاتے ہیں اُس کا مطلب کیا ہوتا ہے ؟ یہ ایک آدمی کا اپنے آپ کو
بڑی سنجیدگی سے خُدا کے حضور پیش کرنا اور یہ دعویٰ کرنا ہے کہ جس طرح خُدا، خُدا

ہے اور وُہ اپنی زندگی پر اُس کی برکات کی اُمید رکھتا ہے اُسی طرح جو کچھ وُہ کہہ رہا
ہے وُہ درست ہے ۔ قسم کھانے کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ایک شخص خاص موقعوں
پر اپنے آپ کو بڑی سنجیدگی سے خُدا کے حضور پیش کر رہا ہے ۔ لیکن کیا خُدا ہر جگہ
حاضر نہیں ہے ؟ کیا ہم کبھی اُس کی حضوری سے باہر بھی ہوئے ہیں ؟ کیا ہر ایک شے
اُس کی زندگی سے زندہ نہیں اور اُس کی مرضی پر انحصار نہیں کرتی ؟ تو پھر کیا اپنے
آپ کو اُس کے حضور پیش کرنے کے لئے خاص موقعوں کو چُننے کا کوئی مطلب ہے
جبکہ خُدا ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور اِس دُنیا میں جو کچھ بھی ہے اُس میں موجود ہے؟
خدا کے ہر جگہ حاضر و ناظر اور قادرِ مُطلق ہونے کی یہ سچائی ہی ہے جس کی طرف خداوند
ہماری توجہ مبذول کراتا ہے ۔ وُہ اپنی نئی بادشاہت میں ہر قسم کی زبانی بات کو
قسم کھانے کی سطح پر لے آتا ہے ۔ یہودیوں کے نزدیک جھُوٹی قسم کھانا بہت بڑی بات
تھی لیکن اپنی عام گفتگو میں ایسی باتیں کہنے کے بارے میں جو سچ نہیں ہوتی تھیں وُہ
بالکل بے پروا تھے ۔ خُداوند مسیح کے مُطابق خُدا ہر جگہ موجود ہے اور ہر لفظ اُس کی
موجودگی میں کہا جاتا ہے، لہٰذا راست گوئی عالمگیر فرض ہے ۔ تمہاری ہاں ہمیشہ ہی ہاں
ہو اور نہ ہمیشہ ہی نہ ۔

خُداوند کے اِس فرمان کا اعادہ نہ صرف یعقوب کے خط ۵: ۱۲ میں کیا گیا ہے
جبکہ اس کی بے حد ضرورت تھی، بلکہ ہمیں اِس پر تعلیمی تبصرہ بھی ملتا ہے جبکہ پولُس
رسُول پر الزام لگایا گیا کہ وُہ اپنے وعدوں میں ٹال مٹول سے کام لیتا اور پُورے
نہیں کرتا (دیکھئے ۲-کرنتھیوں ۱: ۱۷-۱۸) ۔ ایک مسیحی کا ہر جگہ اور ہمیشہ یہ کردار ہونا
چاہئے کہ وُہ سچ بولے ۔ ایسا نہ ہو کہ وُہ ایک وقت تو "ہاں ہاں" کہے اور دُوسرے
وقت "نہ نہ" ۔ مسیحیوں میں باہمی اعتماد کے کردار کا نہ ہونا سماجی ترقی میں بے حد
بنیادی رکاوٹ کا باعث بنتا ہے ۔ آیئے اِس سلسلے میں ہم دو نکات پر غور کریں :

۱- راست گوئی کا فرض تیسرے حُکم کے تحت عائد ہوتا ہے جس سے یہ حُکم مزید گہرا ہو جاتا ہے ۔ کئی دفعہ ہم جھُوٹ کو کم کر کے پیش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جھُوٹ بولنا اُس وقت ہی بُری بات ہے جب اِس کے باعث کسی دُوسرے کا نقصان ہوتا ہے ۔ لیکن خداوند مسیح بنیادی اُصُول کو مزید گہرا بنا کر ہر قسم کی ناراست گوئی کو تیسرے حُکم کے تحت لے آتا ہے ۔

۲- ہمیں اِس سُوال کا جواب ضرُور دینا چاہیئے کہ "کیا مسیحیوں کو ہر قسم کی قسم اُٹھانے سے منع کیا گیا ہے ؟ کیا مسیحیوں کا عدالت میں حَلف اُٹھانا ہمیشہ ہی غلط ہے ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سردار کاہن نے کہا "مَیں تجھے زِندہ خُدا کی قسم دیتا ہُوں" تو مسیح نے اُسے مانا اور جواب دِیا (متی ۲۶ : ۶۳) - اور تین ۳ یا چار ۴ موقعوں پر پولُس رسُول بھی خُدا کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ خُدا میرا گواہ ہے کہ یہ سچ ہے ۔ پس میرا خیال ہے کہ ہم مسیحیوں کو عدالت میں قسم اُٹھانے سے منع نہیں کر سکتے ۔ بدیں وجہ جب کوئی مسیحی عدالت میں جاتا ہے تو اُسے سچائی کے بارے میں اُس نیت کا علانیہ اظہار کرنا چاہیئے جو اُس کی تمام گفتگو کا اِحاطہ کئے ہوتی ہے ۔ لیکن اگر وُہ اپنی عام بول چال میں قسم کھائے تو وُہ "بدی سے ہے"۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ وُہ اپنی عام بول چال میں اپنے الفاظ کا پابند نہیں بلکہ صِرف قسم اُٹھاتے وقت سچ بولنے کا پابند ہے تو یہ مسیحی معیار سے بہُت کم ہے ۔

پانچواں باب

پُرانی شریعت کی ترمیم (جاری)

احکامِ عشرہ میں سے تین ۳ حکموں کو یُوں بیان کرنے کے بعد خُداوند دو ۲ اور خیالوں پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے ۔ جس طرح اُس نے اُن احکامات کے ساتھ کیا اُسی طرح وُہ اِن کو بھی مزید گہرا بناتا ہے ۔ یہاں تک کہ یہ اُس معیار تک پُہنچ جاتے ہیں جو اُس کی پاک اور کامل مرضی کے مُطابق ہے ۔ دونوں خیالوں میں خُداوند کا پُرانے اخلاقی معیار کے ساتھ برتاؤ نہ صِرف بڑا دلچسپ ہے بلکہ کبھی کبھی مسیحی شعُور کے لئے مشکلات کا باعث بن جاتا ہے ۔

بدلہ لینے کے بارے میں حُکم

"تم سُن چُکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ۔ لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہُوں کہ شریر کا مُقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دُوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے ۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لے لینے دے ۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اُس کے ساتھ دو ۲ کوس چلا جا ۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اُس سے مُنہ نہ موڑ" (متی ۵ : ۳۸ - ۴۲) ۔

یہاں خُداوند پُرانی شریعت کی ایک دلچسپ ہدایت کو بیان کر رہا ہے ۔ اُس میں یقیناً ایک حد تک بدلہ لینے کو کہا گیا لیکن اُس سے آگے نہیں ۔ وُہ عین نقصان کے

برابر رلیا جا سکتا تھا - چنانچہ خرُوج ۲۱ : ۲۴ - ۲۵ میں لکھا ہے : "آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ - پاؤں کے بدلے پاؤں - جلانے کے بدلے جلانا - زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ"۔

۱ - سب سے پہلے ہم یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پُرانے عہد نامہ کی شریعت اِنسانی جبلّت پر بذاتِ خُود ایک حد تھی - بدلہ لینے کی وحشی اور سنگ دِل جبلّت آنکھیں بند کرکے حملہ کرتی ہے اور دُشمن کو جہاں تک ممکن ہو سکے نقصان پُہنچاتی ہے - یہ وحشی پن اپنے آپ کو پُوری طرح مُطمئِن کرتا ہے - وُہ اُس آدمی کو جس نے اُسے نقصان پُہنچایا ہوتا ہے اور اُس کی بیوی اور خاندان کو ہلاک کر دیتا ہے - چنانچہ پُرانے عہد نامہ کی بڑی نمایاں بات یہ ہے کہ وُہ ظالمانہ عادات کو روکتا اور اُنہیں قابُو میں رکھتا ہے - یہی حال جانوروں کی قُربانی کے دستُور کا ہے اور یہی بدلہ لینے کے قانون کا بھی ہے - پُرانا عہد نامہ پولیس مَین کا کِردار ادا کرتا ہے - وُہ کہتا ہے کیا تمُہاری آنکھ کو نقصان پہنچا ہے ؟ تو پھر آنکھ کے بدلے آنکھ نکالی جائے، لیکن اِس سے زیادہ نہیں - آپ اِس سے آگے ہرگز نہ بڑھیں - جس نکتے پر زور دینے کی ضرُورت ہے وُہ یہ ہے کہ پُرانا حکم کِسی بات کو اچانک ہی منسوخ نہیں کرتا بلکہ رفتہ رفتہ محدُود کرتا جاتا ہے - خُدا اِنسان کے ساتھ دَرجہ بدَرجہ برتاؤ کرتا ہے - پُرانے عہد نامہ میں اِنسان کے وحشی جذبات کو تیاری کے طور پر اُس وقت تک کے لئے محدُود کر دیا گیا ہے جب تک کہ وُہ ابنِ آدم کے کامِل نظم وضبط کے ماتحت نہیں آ جاتے - پس جب وقت پُورا ہو گیا تو مسیح خُداوند بدلہ لینے کی اِس جبلّت پر زیادہ سخت اور گہری پابندی عائِد کرتا ہے - درحقیقت وُہ اپنے ہر ایک شاگرد سے کہتا ہے کہ اگر تمُہارے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو جہاں تک تمُہارے احساسات کا تعلق ہے تُم اُس ظُلم پر آزاد اور اعلیٰ رُوح کا مظاہرہ کرو - خُداوند بدلہ لینے میں تھوڑی نرمی کرنے کو نہیں کہتا بلکہ مکمل طور پر خُود فراموشی کو -

۲ - دُوسری بات، ہم یہاں جس خُود فراموشی کو دیکھتے ہیں وُہ اُسی نوعیّت کی ہے جس کا اِظہار مسیح نے اِن اَلفاظ میں کیا ہے کہ "اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے ... اگر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے" - اپنے اَعضا کو کاٹنا اِس لئے ضرُوری ہے کہ ہم نے اپنی فِطرت کو اِتنی بُری طرح غلَط اِستعمال کیا ہے کہ اِس سے پیشتر کہ اُسے دُرستی سے اِستعمال کیا جا سکے ضرُوری ہے کہ اُسے سخت خُود اِنکاری کے نظم وضبط کے تحت لایا جائے -

یہی حال بدلہ لینے کی جبلّت کا ہے - اِس جبلّت میں کُچھ اَیسی باتیں پائی جاتی ہیں جو کہ دُرست یعنی اِنصاف کے مُطابق ہیں - یہ جبلّت سچّی ہے جو ہمیں اِحساس دلاتی ہے کہ اگر اِنسان کِسی کو نقُصان پُہنچائے تو اُسے اِس کے بدلے میں نقُصان اُٹھانا چاہیئے - یہ اِلٰہی عَدل کے اُصُول سے اخذ شُدہ ہے - لیکن جہاں تک ہمارا مُعاملہ ہے یہ خُود غرضی اور اُس کے تقاضوں کے ساتھ اِس قدر خلط ملط اور گُناہ آلُودہ ہو گئی ہے کہ خُداوند کو اِس پر مکمّل پابندی لگانی پڑی - وُہ کہتا ہے "خُداوند فرماتا ہے اِنتقام لینا میرا کام ہے - بدلہ مَیں ہی دُوں گا" - وُہ ہم سے ہمارے اپنے مُعاملے میں بدلہ لینے کا حق لے لیتا ہے - "کیونکہ اِنسان کا قہر خُدا کی راست بازی کا کام نہیں کرتا" (یعقوب ۱ : ۲۰) - وُہ چاہتا ہے کہ ہم خُود فراموشی کے اُصُول کو مانیں -

۳ - خُداوند نے اپنے شاگردوں سے جو تقاضا کیا وُہ محض لفظی نہیں ہے - اُس نے اِس کا اِظہار اپنے نمُونے میں کیا ہے - آپ خُداوند کے دُکھوں کو دیکھئے - اور جب آپ اُس سلُوک کو جو اُس کے ساتھ کیا گیا غور سے دیکھتے ہیں تو معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ تقریباً ناقابِلِ برداشت تھے - ہمارے لئے اِس بات کا اندازہ لگانا ناممکن ہے کہ جو بے اِنصافی اور بے عزّتی اُسے اِنسان کے ہاتھوں اُٹھانی پڑی اُس کے لئے اُسے برداشت

کرنا کتنا مُشکِل تھا۔ مثلاً اُس عیارانہ گواہی کو دیکھئے جو جھُوٹے گواہوں نے اُس کے خِلاف دی اور جِس میں بظاہر تھوڑی سی سچّائی نظر آتی ہے۔ "پھر بعض نے اُٹھ کر اُس پر جھُوٹی گواہی دی کہ ہم نے اُسے یہ کہتے سُنا ہے کہ مَیں اِس مَقدِس کو جو ہاتھ سے بنا ہے ڈھاؤں گا اور تِین۳ دِن میں دُوسرا بناؤں گا جو ہاتھ سے نہ بنا ہو" (مرقس ۱۴: ۵۷-۵۸) — دَر حقیقت اُس نے یہ نہیں کہا تھا لیکن جو اُس نے کہا وُہ اِس سے قدرے مِلتا جُلتا تھا: "اِس مَقدِس کو ڈھا دو تو مَیں اُسے تِین۳ دِن میں کھڑا کر دُوں گا" (یُوحنّا ۲: ۱۹) — اُس کا مطلب رُوحانی دُنیا سے تعلق رکھتا تھا۔

جو کُچھ اُس نے کہا اور جو کہنے کا اُس پر اِلزام لگایا گیا، اُن دونوں میں بہُت فرق تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اِس قِسم کے اِلزامات کِس فضا اور ماحول میں لگائے جاتے ہیں — لوگ تفصیل میں تو جاتے نہیں۔ وُہ صِرف الفاظ کے دُھندلے اور سَطحی معنوں کو لے کر اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں۔ اِس لئے اپنا دِفاع کرنا بے سُود تھا۔ یُوں وُہ فوراً ہی اُس سے وُہ کُچھ منسُوب کرنے لگتے ہیں جو اُس نے نہیں کہا تھا۔

خُداوند میں خادِمُ الدین کی نازُک فِطرت پائی جاتی تھی۔ وُہ جانتا تھا کہ لوگ اُسے دیکھ رہے اور سوچ رہے ہیں کہ آیا وُہ حقیقی المسیح ہے یا نہیں۔ جب اُس پر ایسا اِلزام لگایا گیا جو سرسری طور پر درُست نظر آتا تھا لیکن درحقیقت غلط اور باطِل تھا تو اِس سے دُشمنی اَور بھی بڑھ گئی۔ یہ رُوح کی بڑی عمیق آزمائش تھی۔ یہ مِثال بہُت سی مِثالوں میں سے صِرف ایک ہے جِس پر تھوڑا سا بھی تَدَبُّر ہمیں یہ دکھاتا ہے کہ خُداوند کو نہ صِرف بے عِزّتی بلکہ نااِنصافی کی صُورت میں بھی کیا کُچھ برداشت کرنا پڑا۔ لیکن اِس کے باوجُود بھی "نہ وُہ گالیاں کھا کر گالی دیتا تھا اور نہ دُکھ پا کر کِسی کو دھمکاتا تھا بلکہ اپنے آپ کو سچّے اِنصاف کرنے والے کے سپُرد کرتا تھا" (۱-پطرس ۲: ۲۳) —

۴- جب ہمارے ذاتی احساسات قطعی زیر کر لئے جاتے ہیں تب ہی ہم اچھّی طرح سے

ایک اَور فرض یعنی اِنصاف کا فرض —— سماجی قانون کو قائم رکھنے کا فرض ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ خُداوند یسوعؔ ایک اَور حوالے میں ایک ایسی بات کہتا ہے جو پہلی نظر میں اُس سے جو اُس نے یہاں کہا ہے مُتضاد نظر آتی ہے۔ "اگر تیرا بھائی تیرا گُناہ کرے" تو کیا ہمیں اُسے نظر انداز کرنا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ "جا اور خلوت میں بات چیت کر کے اُسے سمجھا۔ اگر وُہ تیری سُنے تو تُو نے اپنے بھائی کو پا لیا۔ اور اگر نہ سُنے تو ایک۱ دو۲ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جا تاکہ ہر ایک بات دو۲ تِین۳ گواہوں کی زبان سے ثابت ہو جائے۔ اگر وُہ اُن کی بھی سُننے سے اِنکار کرے تو پھر کلیسیا سے کہہ۔ اور اگر کلیسیا کی بھی سُننے سے اِنکار کرے تو تُو اُسے غیر قوم والے اور محصُول لینے والے کے برابر جان" (متّی ۱۸: ۱۵-۱۷)۔

یہاں صاف نظر آتا ہے کہ خُداوند سماجی اِنصاف پر زور دے رہا ہے۔ اُس نے اپنے مُقدمے میں خُود بھی اِنصاف کا مُطالبہ کیا: "جب اُس نے یہ کہا تو پیادوں میں سے ایک شخص نے جو پاس کھڑا تھا یسُوعؔ کے طمانچہ مار کر کہا تُو سردار کاہن کو ایسا جواب دیتا ہے؟ یسُوعؔ نے اُسے جواب دیا کہ اگر مَیں نے بُرا کہا تو تُو اُس بُرائی پر گواہی دے اور اگر اچھّا کہا تو مُجھے مارتا کیوں ہے؟" (یُوحنّا ۱۸: ۲۲-۲۳)۔ بعینہٖ پولُسؔ رسُول بھی اَعمال کی کتاب میں اِنصاف کا مُطالبہ کرتا ہے: "مَیں قیصر کے تختِ عدالت کے سامنے کھڑا ہُوں۔ میرا مُقدمہ یہیں فیصل ہونا چاہئے۔ یہُودیوں کا مَیں نے کُچھ قصُور نہیں کیا۔ چنانچہ تُو بھی خُوب جانتا ہے۔ اگر بدکار ہُوں یا مَیں نے قتل کے لائق کوئی کام کیا ہے تو مُجھے مرنے سے اِنکار نہیں لیکن جن باتوں کا وُہ مُجھ پر اِلزام لگاتے ہیں اگر اُن کی کُچھ اصل نہیں تو اُن کی رعایت سے کوئی مُجھ کو اُن کے حوالہ نہیں کر سکتا۔ مَیں قیصر کے ہاں اپیل کرتا ہُوں" (اعمال ۲۵: ۱۰-۱۱ قب ۱۶: ۳۷)۔

پس ہم یہاں فرائض دیکھتے ہیں جو مُتضاد لگتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے شخصی

احساسات کا تعلق ہے تو ہمارا فرض ہے کہ خُود فراموشی اِختیار کریں ۔ اور جب ہماری اپنی مرضی پُوری طرح خُدا کی مرضی کے تابع ہو جاتی ہے اور بدلہ لینے کی تمام وحشی فِطرت پر قابُو پا لیا جاتا ہے تو پھر ہی ہم دُوسرے فرض پر سوچنے اور اپنے آپ سے یہ دریافت کرنے کے قابل بنتے ہیں کہ سماج کے اخلاقی قانون کی مُحافظت ہم سے کیا تقاضا کرتی ہے ۔

یہ خاص نکتہ ہمیں خُداوند کے تعلیم دینے کے طریقہ پر غَور و فِکر کرنے کا موقع مُہیّا کرتا ہے ۔ ابھی ہم نے ایک صاف و صریح مثال دیکھی ہے جِس میں ہمارا خُداوند بظاہر اپنی تردید آپ کرتا ہے ۔ اِس کی تشریح صِرف اُس کے طریقۂ تعلیم میں ہی کی جا سکتی ہے ۔ بعض اوقات اُس کا طریقہ تشبیہی تھا ۔ جب ہم اِس بات پر غور کر رہے تھے کہ وُہ ترکِ دُنیا کے بارے میں کیا کہتا ہے تو ہم نے دیکھا کہ اُس نے جو مثالیں پیش کیں وُہ قطعی تشبیہی تھیں ۔ مثلاً "اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُسے نِکال کر پھینک دے"۔ یہ اُس عُضو کے بارے میں جو غلط استعمال ہؤا ایک اِستعارہ ہے ۔

لیکن یہاں اُس کی مثالیں تشبیہی نہیں ہیں ۔ اگرچہ یہ ایسی ہیں جِن کا حقیقی اور لفظی اطلاق ہوتا ہے ، تاہم اصل میں وُہ ضربُ الاَمثال ہیں ۔ اگرچہ ضربُ الاَمثال اکثر بظاہر ایک دُوسری کے برعکس ہیں تو بھی وُہ ہماری راہنمائی کے لئے قابِلِ فہم ہوتی ہیں ۔ مثلاً ایک دِن آپ کِسی کو یہ کہتے سُنیں گے کہ "قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے" دُوسرے دِن یہ کہ "کھودا پہاڑ نِکلا چُوہا"۔ پہلے کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے بہُت ہو جاتا ہے جبکہ دُوسرے کا یہ کہ بڑی محنت کے باوجُود کُچھ بن نہیں پڑتا لیکن یہ دونوں ہی ہماری درُست راہنمائی کرتی ہیں ۔

ایک ضربُ المثل یا مُحاورے میں کِسی عمُومی اُصُول کا اِطلاق پایا جاتا ہے ، جو انتہائی صُورت میں پیش کیا جاتا ہے جبکہ اِسی طرح کی ایک اَور ضربُ المثل میں اِس سے بظاہر اُلٹ نصیحت کی جاتی ہے ۔ اگر اِن کو لفظی طور پر لیا جائے تو وُہ ناقابِلِ عمل بن

جاتے ہیں ۔

مسیح خُداوند اکثر اَمثال اور محاورات کے ذریعہ تعلیم دِیا کرتا تھا ۔ وُہ ایک اِنتہائی صُورتِ حال پیش کرتے ہُوئے کِسی اُصُول کی تشریح کرتا ہے ۔ مثلاً "اگر کوئی تجھ پر نالِش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لے لینے دے"۔ لیکن اگر وُہ کِسی دُوسرے اُصُول پر زور دینا چاہے تو وُہ اِس کا تضاد لگتا ہے مثلاً "اگر تیرا بھائی تیرا گُناہ کرے تو جا اور خلوت میں بات چیت کر کے اُسے سمجھا" اور اِسے اُس کے آخری نتیجہ تک پہنچاتا ہے ۔

ہمیں یہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک ضربُ المثل کے درُست اِطلاق کا اِنحصار اِس سُوال پر ہوتا ہے کہ وُہ کونسا خاص اُصُول ہے جِس کا اِطلاق اِس ضربُ المثل میں ہوتا ہے ۔

آیئے اب ہم اُن ہدایات پر غور کریں جو خُداوند نے دیں اور خُود سے دریافت کریں کہ ہم آج اِن خاص ضربُ الامثال کا اِطلاق کیسے کر سکتے ہیں ۔

"لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہُوں کہ شریر کا مُقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دُوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے"

(متّی ۵:۳۹)۔

بے شک یہاں جو الفاظ اِستعمال ہُوئے ہیں بڑے سادہ ہیں اور اُن کی تشریح کرنے کی ضرُورت نہیں ۔ لیکن کیا ہم جانتے ہیں کہ اِس نصیحت کا اِطلاق کیسے کیا جائے گا؟ کیا ہمیں اِس پر صِرف لفظاً عمل کرنا ہے ؟ اگرچہ بعض اوقات ایسے مواقع آ سکتے ہیں جب ہمیں لفظاً ایسا کرنا پڑے تو بھی اکثر اِس کا اِطلاق تشبیہاً ہوتا ہے ۔

مثال کے طور پر ، کِسی نے آپ کے خِلاف اَخبار میں بُری بات چھپوائی یا آپ کے حلقۂ احباب میں پھیلائی ہے ۔ آپ کو پتہ چلتا ہے کہ کِس نے یہ کام کیا ۔ جب

کبھی ایسی بات ہوتی ہے تو ہر ایمان دار کو اِس سُوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ آیا وُہ اپنے آپ کو سچّا مسیحی ثابت کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ ہمیں اپنی خواہش کو دبا دینا چاہیئے اور جہاں تک ہمارے ذاتی اِحساسات کا تعلق ہے کِسی قِسم کا بدلہ نہیں لینا چاہیئے۔ ہم اپنی ذات کو فراموش کر دیں یعنی گویا اپنا دُوسرا گال پھیر دیں۔ اِس کا مطلب، بلاشُبہ یہ بھی ہے کہ ہم ایسے موقعوں کی تلاش میں رہیں جبکہ ہم اُس کے ساتھ بھلائی کر سکیں۔ یہ اس کا لفظی مطلب نہیں بلکہ اُس اُصُول کا عملی اطلاق ہے۔

دُوسری نصیحت یہ ہے کہ

"اگر کوئی تجُھ پر نالِش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لے لینے دے" (متّی ۵ : ۴۰)۔

یہاں پھر مطلب بالکل صاف ہے۔ ہمیں قانونی بے اِنصافی کا مُقابلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اکثر اوقات اِسے لفظی طور پر مانا جا سکتا ہے اور ماننا بھی چاہیئے جیسے پولُس کہتا ہے "لیکن دراصل تُم میں بڑا نقص یہ ہے کہ آپس میں مُقدّمہ بازی کرتے ہو۔ ظلم اُٹھانا کیوں نہیں بہتر جانتے۔ اپنا نقصان کیوں نہیں قبول کرتے؟" (۱۔کرنتھیوں ۶ : ۷)۔ لیکن ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں اِس نصیحت پر لفظی طور پر عمل کرنا سماج اور خود مُجرم کے ساتھ ظلم ہوگا۔ یسوعؔ مسیح ہم سے پُوچھتا ہے کہ کیا تُو ایسے مُعاملے کو میری روشنی میں دیکھ سکتا ہے؟ دیانت داری سے یہ کہنے میں قریباً ہم سب کو مُشکل پیش آتی ہے کہ "جہاں تک میرا تعلق ہے میں یہ اور اِس سے بھی زیادہ دُکھ اُٹھانے کے لئے تیار ہُوں۔ مَیں عدالتی کارروائی کا خیال اپنے دِل میں کبھی نہیں آنے دُوں گا جب تک کہ مجُھے یقین نہ ہو جائے کہ یہ سوسائٹی اور مُجرم کے بھی عام مفاد میں ہے"۔

پھر یہ نصیحت بھی ہے کہ

"جو کوئی تجُھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اُس کے ساتھ دُو کوس

چلا جا" (متّی ۵ : ۴۱)۔

اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی تمہیں ایک خاص فاصلے تک بار برداری کے لئے کہے تو دو گنے فاصلہ تک جانے کے لئے تیار رہو۔ یعنی اپنے پر لوگوں کے حق کا اِنکار نہ کرو، لوگوں کا بوجھ اُٹھاؤ اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے یہ سمجھو کہ اُن کی نسبت تمہیں دوگنا حق ادا کرنا ہے۔ اِس کے برعکس ہم لگان اور ٹیکس دینا سخت ناپسند کرتے ہیں! بہُت کم ہیں جو مسیحی نقطۂ نظر سے اِنہیں ادا کرتے اور اُس بوجھ کو جو قوم کا فرد ہونے کے باعِث اُن پر ڈالا گیا ہے اپنی طاقت کے مُطابق خوشی خوشی اُٹھاتے ہیں۔ ہمارا فرض مُقررہ ٹیکس دیانت داری سے ادا کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔

"جو کوئی تجُھ سے مانگے اُسے دے" (متّی ۵ : ۴۲)۔

"جو کوئی تجُھ سے مانگے اُسے دے اور جو تیرا مال لے لے اُس سے طلب نہ کر" (لُوقا ۶ : ۳۰)۔

اِنگلستان کے بادشاہ ایڈورڈ دی کونفیسر کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ایک دِن بادشاہ اپنے روزمرّہ کے کام کے بعد آرام کر رہا تھا۔ دریں اثنا اُس کا دیوان ہگولن پیسوں والا صندوق لایا تاکہ مُلازمین کو تنخواہ دے۔ وُہ صندُوق کو کھُلا چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے باہر چلا گیا۔ اِتنے میں ایک نوکر اندر آیا اور یہ خیال کرتے ہُوئے کہ بادشاہ سو رہا ہے وہ صندُوق سے دُو مرتبہ پیسے نکال کر لے گیا۔ جب وُہ تیسری مرتبہ پیسے نکالنے آیا تو بادشاہ جو یہ سب کُچھ دیکھ رہا تھا اُس سے مخاطب ہُوا اور کہا "جتنی جلد مُمکن ہو بھاگ جاؤ کیونکہ دیوان ہگولن واپس آنے والا ہے۔ اگر اُس نے تمہیں پکڑ لیا تو تمُہارے پاس ایک دھیلا بھی نہیں چھوڑے گا"۔ جب ہگولن واپس آیا تو اُسے اِس واردات کا عِلم ہو گیا۔ اُس نے بادشاہ سے دریافت کیا لیکن بادشاہ نے یہ بتانے سے اِنکار کر دیا کہ کون پیسے لے گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا "اُسے ہم سے زیادہ ضرُورت

تھی"۔ مسیح نے ہمیں تعلیم دی ہے ہمارا دُنیاوی مال و دولت سبھوں کے لئے ہونا چاہیئے جن کو اِس کی ضرُورت ہے۔

بلاشُبہ، کبھی کبھی صرف اِس قسم کی سخاوت سخت یا تلخ یا بے پروا دِل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن چور کو اِس طرح چھوڑ دینا کبھی کبھار ہی درُست ہو سکتا ہے۔ تاہم مجُرم پر اُس کے پہلے جرُم کی وجہ سے رحم کھانا اور اُسے ایک اَور موقع دینا ہمیشہ ہی درُست ہوگا۔ یہاں تک کہ جب قانون اُسے سزا دے تو قید کے دَوران اور اُس کے بعد بھی اُس سے مہربانی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ ایسی مہربانی جو بڑی سے بڑی تکلیف بھی برداشت کرنے کو تیار رہتی ہے' وہی اخلاقی اثر پیدا کریگی۔

"جو کوئی تجھُ سے مانگے اُسے دے اور جو تجھُ سے قرض چاہے اُس سے مُنہ نہ موڑ"۔

ہم گداگروں کو خواہ وُہ کسی بھی طبقے سے تعلق رَکھتے ہوں کیا کہیں؟ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بہُت سے لوگ ہیں جنہیں مَدد کی ضرُورت ہے اور جن کے کردار اور حالات کو ہم پہلے سے جانتے ہیں، چُنانچہ وُہ زبانی یا خاموشی سے اپیل کرتے ہیں۔ بعض اَیسے لوگوں کو بھی بدقسمتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کی اگر عارضی مُشکل میں مدد کی جائے تو وُہ خود مُختار زِندگی بسر کرنے کے قابِل بن جاتے ہیں۔ یا بعض ایسے ہیں جن کو مُستقِل مَدد کی ضرُورت ہے کیونکہ وُہ مُستقِل معذُور ہوتے ہیں لیکن اُن کے دِل میں کام کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ یا کبھی کبھی ایک لڑکے یا لڑکی کو تعلیم حاصِل کرنے کے لئے مدد دی جا سکتی ہے تاکہ وُہ مذہبی راہنما بن سکے یا کوئی اَور باعزّت پیشہ اِختیار کر سکے۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی ہم بڑی مفید مدد کر سکتے ہیں۔ اِسی طرح ایسے بہُت سے ادارے ہیں جو اگرچہ مدد کی درخواست کرتے اور ضرورت مند بھی ہیں تو بھی کھُلے دِل اور وفاداری سے دینے والے بہُت کم ہیں۔ اِس قسم کی لگاتار سخاوت کسی گداگر کو چند

ٹکے دینے سے کہیں زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ اِبتدائی مسیحی جماعت کو یہ نصیحت کی گئی تھی کہ "اپنی سخاوت کو اُس وقت تک روکے رہو جب تک کہ سخاوت کرنے والے کو عِلم نہ ہو جائے کہ کِس کو دینی ہے" (تعلیم الرُّسُل)۔

دُوسری بات ہمیں مَدد کے طلب گار کے بارے میں تحقیق کرنی چاہیئے۔ اکثر لوگ اِس بات سے بچنے کی کوشِش کرتے ہیں کیونکہ اُنہیں تھوڑی بہُت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور کہ یہ باقاعدہ اُصُولوں کے تحت کرنی ہوتی ہے۔ لیکن اِس کے عِلاوہ کوئی اَور طریقہ نہیں کہ ہم حقیقی ضرُورت مند اور پیشہ ور بھکاریوں میں تمیز کر سکیں۔ پیشہ ور بھکاری اُس گھر کے نزدیک کبھی نہیں جائیں گے جِس کے بارے میں اُنہیں عِلم ہو کہ وہاں پُوچھ گچھ کی جائے گی۔ جس مدد کے طالب کا ضمیر صاف ہے وُہ اُس تفتیش کو خوشی سے قبول کرے گا۔

لیکن بلاامتیاز مَدد کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ مسیحیت کے مُعلّموں نے اکثر اِس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ لیکن جب درخت کے پھل خراب ہیں تو پھر پُورا درخت اُکھاڑا جاتا ہے۔ درحقیقت اِس قسم کی مَدد میں ہمارے ہمدردی کے احساسات کا دخل ہوتا ہے جو دُوسروں کی قیمت پر کی جاتی ہے۔ اِس میں ہمیں سب سے کم تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ دُوسرے لحاظ سے اگرچہ کسی بھی بھکاری کو تھوڑا سا کھانا دے دینے میں کوئی نقصان نہیں ہوتا تو بھی اکثر اِسے بھی قبول نہیں کیا جاتا۔

اگر ہم تھوڑی سی تکلیف برداشت کریں تو کِسی ضرُورت مند کے ساتھ دوستی اور مہربانی کا اِظہار کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہم کِسی بھکاری لڑکے کو کوئی تربیّت دِلا سکتے ہیں۔ آئیے، جہاں تک ممکن ہو ہم اُن لوگوں کے لئے بھی جِن کا ہم پر کوئی "خاص حق" نہیں، تکلیف اُٹھانے سے اِنکار نہ کریں۔ اگر ہمارا مسیحی شعوُر کوئی نیکی کرنا مُناسب سمجھے تو ہمیں اُن کے لئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ آئیے ہم اپنے پوُرے کردار سے ظاہر کریں

کہ ہم ایسے لوگوں کو خوش آمدید کہہ کر اُن کے تقاضوں کو اپنی جیب یا اپنے دِل یا اپنے شعُور پر بوجھ نہیں سمجھتے۔ اِس قسم کی سخاوت کا ہمارے دِل اور شعُور دونوں سے تعلق ہونا چاہیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دولت مند آدمی ہر سال اڑھائی ہزار پونڈ خیرات کرتا تھا، زیادہ تر اُن بھکاریوں کو جو اُس کے گھر کے پچھلے صحن میں جمع ہو جاتے تھے۔ یُوں اُس نے اپنے پیسے سے چھٹکارا تو پالیا لیکن ساتھ ہی اِرد گرد کا پُورا علاقہ اخلاقی طور پر بِگڑ گیا۔ خُداوند مسیح کی یہ مرضی ہرگز نہیں کہ ہم دُوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بنیں۔ خُداوند نے بِلا امتیاز خیرات کرنے کی تاکید نہیں کی۔ بہر حال اچھّا ہو اگر دولت مند یا کھاتے پیتے ایمان دار سخاوت کرنے سے پیشتر خُدا کے حضُور اپنے گھُٹنوں کے بل جُھک کر دریافت کریں کہ کیا مَیں اپنا وقت اور پیسہ ضرُورت مندوں کے لئے خرچ کرنے کی کوشش کرتا ہُوں؟

دُشمنوں کے ساتھ سلُوک

"تم سُن چُکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبّت رکھ اور اپنے دُشمن سے عداوت۔ لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہُوں کہ اپنے دُشمنوں سے محبّت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرو۔ تاکہ تُم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وُہ اپنے سُورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے۔ اور راست بازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تُم اپنے محبّت رکھنے والوں ہی سے محبّت رکھو تو تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ کیا محصُول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟ اور اگر تُم فقط اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو؟ کیا غیر قوموں کے لوگ بھی ایسا نہیں کرتے؟ پس چاہیئے کہ تُم کامِل ہو

جیسا تمُہارا آسمانی باپ کامل ہے" (متّی ۵: ۴۳ - ۴۸)۔

یہ الفاظ کہ "اپنے دُشمنوں سے عداوت" رکھو بعینہٖ مُوسوی شریعت میں نہیں مِلتے لیکن بلاشُبہ مجمُوعی طور پر یہ حُکم شریعت کے مطلب کی نمائندگی کرتا اور اُس کا خلاُصہ پیش کرتا ہے۔ جب زبُور گائے جاتے ہیں تو ایسے زبُور جن میں "دُشمنوں پر لعنت" کی گئی ہے مثلاً زبُور ۱۰۹ تو متعدد مسیحیوں کا ضمیر پریشان ہو جاتا ہے۔ بعض ماڈرن نقاد ہمیں یقین دِلاتے ہیں کہ ایسے زبُوروں میں ذاتی دُشمنی کے بارے میں ذاتی احساسات کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ راست باز اِسرائیل کے خُداوند کے دُشمنوں کے بارے میں احساسات کو۔ یہ تشریح قدرے مشکوک ہے۔ اور اگر ایسا ہی ہو تو بھی یہ دُشمنوں کی تبدیلی کی اُمّید اور اُن سے محبّت رکھنے کے مسیحی معیار سے کم تر ہے۔ بے شک، اگر ہم اُن میں بولنے والے راست باز کو مسیح مانیں تو ہمیں اُن میں اِلٰہی عدالت کے اُصُول مِل سکتے ہیں اور اِسی طرح اُن کی تشریح نئے عہد نامہ میں کی گئی ہے۔ لیکن تو بھی اپنے طرزِ بیان میں اور جِس سُر تال میں وُہ پیش کئے گئے ہیں وہ مسیحی معیار سے کمتر ثابت ہوتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ تمام عہدِ عتیق اپنی اِلٰہی نشو و نما میں درُست راستے پر تھا تو بھی وُہ ابھی تک اپنی منزلِ مقصُود یعنی مسیح تک نہیں پہنچا تھا۔ اِس لئے مسیح باربار فرماتا ہے کہ "تم سُن چُکے ہو کہ کہا گیا تھا... لیکن مَیں تم سے کہتا ہُوں"۔

خُداوند عہدِ عتیق کی محبّت کی شریعت کو گہرا اور وسیع بناتا ہے۔ ہم اپنے دِل میں "اپنے دُشمنوں سے محبّت رکھیں"۔ بے شک ہم سب لوگوں کے لئے تو یکساں محبّت محسُوس نہیں کرتے، لیکن ہم اپنے اِرادے کو یا جیسے کہ بائبل کہتی ہے دِل کو اُن کے ساتھ نیکی کرنے کے لئے تیار کر سکتے ہیں۔ اگر ہم دُوسروں کے بارے میں اپنا ذہنی رُجحان درُست رکھیں تو غالباً اِس کا نتیجہ درُست احساسات کی صُورت میں نِکلے گا۔ پھر ہم اپنے اِس رُجحان کو نرم و ملائم گفتگو میں ظاہر کریں گے۔ ہم اُنہیں سلام و آداب

کہیں گے اور اُن کی خیر خواہی کا اِظہار کریں گے ۔ ہم اپنے عملوں سے بھی ظاہر کریں گے کہ ہم اُن کے خیر خواہ ہیں یعنی اُن کے لئے بڑی سنجیدگی سے دُعا کریں گے اور اپنے کاموں سے اپنے آسمانی باپ کے بِلا امتیاز پیار کو ظاہر کریں گے ۔

یہ نہیں بتایا گیا کہ اپنے دُشمنوں کے ساتھ مہربانی کے سلوک کا کیا نتیجہ نکلے گا ۔ لیکن اگر ہم لوگوں کو صِرف اُن کی موجُودہ حالتِ زندگی کے مُطابق پرکھیں اور الٰہی محبّت کی روشنی میں نہ دیکھیں تو بے شک ہم ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اُن کی ترقی کی کوئی اُمید نہیں رکھتے ۔ لوگوں کو بہتر بنانے کے لئے ہمیں ایمان رکھنا چاہیئے کہ خُدا اُنہیں بہتر بنانے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ ہم اُن کے ساتھ ایسے سلوک کریں گویا کہ وُہ پہلے سے بہتر ہوں ۔ پس اگر ہم لوگوں کو اپنا دُشمن سمجھنا ترک کر دیں تو امکان غالب ہے کہ وُہ بھی ہمارے دوست بن جائیں گے ۔ خُدا نے لوگوں کو نجات دی لیکن یہ جانتے ہُوئے نہیں کہ وُہ کیا ہیں بلکہ یہ کہ وُہ کیا بن سکتے ہیں ۔

خُداوند ہماری توجہ اِس حقیقت کی طرف مبذُول کراتا ہے کہ وُہ ہم میں الٰہی مُحرّک دیکھنا چاہتا ہے جو صِرف خُدا سے رفاقت رکھنے ہی سے مِلتا ہے ۔ ہم اِس کا اِطلاق مسیحی فرائض کے دُوسرے حِصّوں پر بھی کر سکتے ہیں، مثلاً پاکیزگی پر ۔ لیکن یہاں خداوند اِس کا اِطلاق مہربانی پر کرتا ہے: "تُم اپنے دوستوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے ہو۔ کیا تُم اِس لحاظ سے محصُول لینے والوں سے بہتر ہو؟" محصُول لینے والے سرمایہ دار تھے ۔ وُہ رومی حکُومت کے لئے ٹیکس جمع کرتے تھے ۔ انہیں حکومت کے لئے اپنے علاقے سے ایک مقررہ رقم جمع کرنی ہوتی تھی ۔ باقی پَیسے اُن کی اپنی جیب میں رہتے ۔ اِس لئے وُہ حتی الامکان وصُول کرتے رہتے تھے ۔ ایسے افسروں کا عملہ بھی محصُول لینے والا کہلاتا تھا ۔ اگرچہ اُن کے ہم وطن اُنہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور لُٹیرے سمجھتے تھے تو بھی ایسے لوگ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے

تھے ۔ ایسی مہربانی میں ماسوائے اِنسانی مصلحت کے جو کہ ایک عام سماجی خوبی ہے کوئی اور مُحرّک کار فرما نہیں ہے ۔ لیکن جس کا خُداوند مسیح ہم سے تقاضا کرتا ہے وُہ اِلٰہی محرک ہے ۔ لہٰذا یہاں ایک سنجیدہ سُوال پَیدا ہوتا ہے ۔ ہم اپنے کاموں اور دُوسروں کے ساتھ اپنے عام سلوک پر غور کریں ۔ کیا وُہ مصلحت اور سماجی تقاضے کی پیداوار ہیں یا ہمارے کردار کا تعلق اُس الٰہی محرک سے ہے جو خُدا کے ساتھ رفاقت رکھنے سے مِلتا ہے ؟ یسوع مسیح یہ الٰہی محرک ہمارے دِلوں اور زندگیوں میں قائم کرنے کے لئے آسمان پر سے زمین پر آیا اور اُس نے اپنے آپ کو ہمارے لئے قُربان کیا ۔ کیا آپ اُس کام کے مُطابق چل رہے ہیں جس کے لئے خُدا نے آپ کو بُلایا ہے ؟ آپ کے عمل کا اُصُول اِس کے سِوا کیا ہو سکتا ہے کہ آپ خُدا کی کاملیت کو جو درحقیقت مسیح ہی کا کردار ہے حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔

"پس چاہیئے کہ تُم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے"

(متی ۵ : ۴۸) ۔

ہمیں مایُوس ہونے کی ضرُورت نہیں، ہمیں مسیح کی مانند بنانے کے لئے مسیح کا رُوح ہم میں کام کرتا رہتا ہے ۔ اگر ہمارے سامنے مسیح کا طرزِ خیال ہو اور ہم آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہے ہوں یا ہم متواتر اُس کی تلاش میں رہیں تو بالآخر ہم پایۂ تکمیل تک پہنچ جائیں گے ۔ ہمارے پاس بڑھنے کے لئے ایک سال یا دو سال یا پُوری زندگی نہیں بلکہ ابدیت ہے ۔ ہم اِقرار کرتے ہیں کہ اِس دُنیا میں حاصل کرنے کی جو سب سے بہتر شے ہے وُہ مسیح کا کردار ہے ۔ پس آئیے جس چیز کا ہم سے تقاضا کیا جاتا ہے ہم اپنی ضرُورت کے مُطابق خُدا سے وعدہ کی ہُوئی قوّت اور حکمت مانگیں ۔ آئیے ہم مُقدّس اوگسٹین کے ساتھ مِل کر یہ دُعا کریں: "جس کا حُکم تُو نے فرمایا ہے مجھے بخش دے ۔ اور پھر جو مرضی ہے مجھے حُکم

دے"۔ یعنی پہلے مجھے حکم پورا کرنے کی قوت دے تاکہ میں ہر حکم کو پورا کر سکوں۔

چھٹا باب

آسمانی بادشاہی کے شہریوں کا محرک

جب ہم اِس بات پر غور کر رہے تھے کہ کس طرح خداوند نے بدلہ لینے کی اجازت ختم کرکے محبّت کی شریعت کو گہرا کیا تو ظاہر ہوُا کہ اُس نے ہمیں لفظی قوانین نہیں دِیے بلکہ عمل پیرا ہونے کے لئے اُصول یا محرکات ۔ وُہ اپنے مطلب کے اِظہار کے لئے اَمثال کو استعمال کرتا ہے ۔ اِن ہدایات کی تمثیلی نوعیّت صاف عیاں ہے کیونکہ بعض اوقات اِن میں باہمی تضاد پایا جاتا ہے ۔ ہمیں انہیں اُن عام کہاوتوں کی طرح ہی لینا چاہیے جن میں عمل پیرا ہونے کے لئے عام اُصول یا محرکات شامِل ہوتے ہیں ۔

پہاڑی وعظ ہمیں سماجی شریعت دیتا ہے ۔ پہاڑی وعظ میں ہمیں ایسے اُصول مِلتے ہیں جن کا اِطلاق ہر ایک مسیحی کو اپنی سماجی زِندگی یا کردار پر بار بار کرتے رہنا چاہیے ۔ چونکہ اِس میں محرکات اور اُصول پائے جاتے ہیں نہ کہ قوانین اِس لئے اِسے سب سے پہلے دِل اور ضمیر پر اثر انداز ہونا چاہیے ۔ پس جب اِس طرح کوئی کردار تشکیل پائے گا تو وُہ اپنی سماجی زِندگی کو نئی بنیادوں پر ڈھالے گا ۔ آپ پہاڑی وعظ کی کِسی بات یا ہدایت کو لے کر براہِ راست ہی سماجی شریعت کے طور پر لاگو نہیں کر سکتے ۔ لیکن اگر کوئی فرد اِن کہاوتوں کو اپنے دِل اور ضمیر پر اثر انداز ہونے دے تو یہ اُس کی زِندگی اور کردار کے اُصول بن کر ضرور ہی ذاتی اور سماجی زِندگی میں نظر آئیں گی ۔

یہ حقیقت کہ خداوند ہمیں اُصول عطا کر رہا ہے نہ کہ قوانین، اب اور بھی

وضاحت سے ظاہر ہوگی جب ہم وعظ کے اگلے بڑے حصّے پر غور کریں گے - وہاں زیادہ صفائی سے نظر آئے گا کہ خُداوند صرف محرکات کو بیان کر رہا ہے ——— ایسے محرکات جو اِنسان کے دِل میں پوشیدہ ہوتے ہیں - پہلے وُہ اِس دُنیاوی ذہنیت کو جس کے مُطابق لوگ مذہبی کام بھی دُوسرے آدمیوں کو دِکھانے کے لئے کرتے ہیں تاکیداً منع کر دیتا ہے - لیکن اُس کی اپنی مثال ، کلیسیا اور رفاقت کے بارے میں اُس کی اپنی تعلیم اور اُس کا اپنا فرمان کہ "تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وُہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں" ہمیں مجبور کر دیتا ہے کہ ہم اِن حکموں کی تمثیلی خصوصیت مانیں اور اِن میں قانون کی بجائے اُصول کو پہچانیں -

متّی کی اِنجیل کے پُورے چھٹے باب کا صرف ایک ہی موضُوع ہے - یہ ہمیں ایک عظیم اُصُول سکھاتا ہے کہ نئی راست بازی یعنی بادشاہی کے شہریوں کی راست بازی خُدا کی طرف دیکھتی رہتی ہے - اُس کا محرّک ، اُس کی منزلِ مقصود اور اُس کا نصب العین صرف اور صرف خُدا ہوتا ہے - جو شخص اپنے اعمال اور زندگی میں براہِ راست خُدا کی سمت نہیں دیکھتا رہتا وہ اُس آسمانی بادشاہت کا شہری نہیں ہو سکتا -

ہم اُن آیات کو جن کا تعلق دُعا سے ہے چھوڑتے ہُوئے سب سے پہلے آیات ۱-۱۸ پر غور کریں گے - اِن آیات کا مضمون ایک ہی ہے یعنی مسیحی راست بازی - یہ اپنے تمام شعبُوں میں اِنسانی تعریف کی بجائے صرف خُدا کی حمد و تعریف کی آرزُومند رہتی ہے - خُداوند پہلے راست بازی کے بنیادی مطلب کو بیان کرتا ہے اور پھر اُس کی مختلف شاخوں کو - وُہ سب سے پہلے عام راست بازی کو یُوں بیان کرتا ہے :

"خبردار اپنے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دِکھانے کے

لئے نہ کرو - نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان پر ہے تمہارے لئے کُچھ اَجر نہیں ہے" (متّی ۶ : ۱) -

خُداوند مسیح اجر کی آرزُو کم قدر یا حقیر نہیں جانتا بلکہ صرف اُسی اجر کو جو ہمیں غلط جگہ سے مِلتا ہے - بعض لوگ خُدا سے ابدی اجر تلاش کرنا بھی ذِلّت سمجھتے ہیں - وُہ دُرست مذہبی اِرادہ کو صرف مُقدّس فرانسس زیویر کے اقوال میں ہی دیکھتے ہیں :

"اے میرے خُدا ، مَیں تجھے پیار کرتا ہُوں لیکن اِس لئے نہیں کہ اِس کے باعث میں بہشت میں داخل ہو جاؤں" - وُہ اُس آدمی کی تعریف کرتے ہیں جو دوزخ کی آگ کے شعلوں کو پانی سے بُجھا دینے اور بہشت کی خُوشیوں کو آگ سے جلا کر خاک کر دینے کا اِرادہ رکھتا ہے تاکہ لوگ خُدا کو اجر کی توقع کئے بغیر تلاش کریں - لیکن اِس قسم کے لوگ اِنسانی فطرت میں لافانی اور ضرُوری جبلّت کو نظر انداز کر دیتے ہیں - ہم خُدا کے ساتھ محبّت کو ، خُدا میں اپنی خوشی تلاش کرنے کی خواہش سے جُدا نہیں کر سکتے - یہ بات ہماری شخصیّت سے الگ نہیں ہو سکتی -

ہم فِطری طور پر اِطمینان اور قبولیت کے خواہش مند ہیں - بات صرف یہ ہے کہ ہم اِسے دُرست جگہ یعنی خُدا میں تلاش کریں - کیونکہ اگر یہ اُس کی طرف سے ہو تو ہمارا دُوسروں کے لئے مفید ہونا رائیگاں نہیں جائے گا اور نہ ہماری ذاتی شخصیت کو دبایا جائے گا - پس اپنے آپ سے سچّی محبّت کرنا جائز اور مُناسب ہے - ایک ایسی محبّت خُدا کے ساتھ رفاقت رکھنے میں اِطمینان کو تلاش کرتی ہے - اگر خُدا سے اجر کی تلاش نے کسی کو نقصان پہنچایا ہو تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ خُدا کے کردار کی طرف جیسا کہ مسیح یسُوع کے کردار اور تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے توجہ نہیں دی گئی - لیکن اگر ہم خُدا کو وَیسا ہی تلاش کریں جیسا وُہ حقیقت میں ہے تو پھر اِس اَجر کی توقع رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں - جس نے یہ کہا ہے کہ "اگر آدمی ساری دُنیا حاصل کرے اور اپنی

جان کا نقصان اُٹھائے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا؟" اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ "جو کوئی اپنی جان بچانا چاہے اُسے کھوئے گا" (متّی ۱۶: ۲۵، ۲۶)۔ پہلی بات میں اِنسان کی جان کی بُنیادی اہمیّت پر زور دیا گیا ہے جبکہ دُوسری بات میں نجات کے سلسلے میں اِنسان کی خود غرضی کو ناکام اور فضول قرار دیا گیا ہے۔ دونوں پیشِ نظر رکھ کر اِنسان نفس کُشی اور خُود غرضی سے بچتا رہتا ہے۔

یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ ہمیں صِرف خُدا کی قبولیّت اور منظوری تلاش کرنا چاہیئے۔ یہ اِنسان کی ایک بنیادی ضرُورت ہے۔ اب خُداوند اِس اصُول کا اِطلاق انسان کے چال چلن کے تین ۳ شعبوں پر کرتا ہے۔ اِنسان کے تین فرائض ہوتے ہیں۔ یعنی خُدا کے بارے میں ہمارا فرض، اپنے پڑوسی کے بارے میں ہمارا فرض اور اپنے بارے میں ہمارا فرض۔ اِن تینوں میں سے ہر ایک فرض ایک مخصُوص صُورت میں عمل میں لایا جاتا ہے۔ ہمارا خُدا کے بارے میں فرض خاص طور پر دُعا میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارا اپنے ہم جِنسوں کے بارے میں فرض رحم اور خیرات کے کاموں میں اور اپنے بارے میں ہمارا فرض اپنے پر کنٹرول اور ضبط کرنے یعنی روزہ رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ خُداوند کہتا ہے کہ تمُہاری دُعا، تمہاری خیرات اور تمُہارا روزہ خُدا کی خوشنودی کی جُستجُو میں کیا جائے۔

یسُوع مسیح خُدا کے بارے میں ہمارے فرض کو پہلے رکھتا ہے۔ اِسے اپنے پڑوسی کے بارے میں فرض کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ اِنسان ہوتے ہُوئے یہ ہماری پہلی اور سب سے اہم ذِمّہ داری ہے۔ پہلا اور سب سے عظیم حُکم یہی ہے کہ ہم خُداوند اپنے خُدا سے محبّت رکھیں۔ اِس کے بعد ہمارا اپنے پڑوسی، نیز اپنے بارے میں بھی فرض ہے۔ "اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبّت رکھ"۔ ہماری اپنے بارے میں ذمّہ داری یہ ہے کہ ہم اپنی پُوری صلاحیّتوں کو

برُوئے کار لائیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو خُدا نے تخلیق کیا۔ ہماری زِندگیوں میں اُن کُل شعبوں کا مجمُوعہ پایا جاتا ہے جسے ہم شخصیّت کا نام دیتے ہیں۔ پس ہمیں اپنی شخصیّت کے ہر شعُبے کی ترقی کے لئے سرگرمِ عمل رہنا چاہیئے۔

چونکہ ہر انسان کو خُدا کی طرف سے رُوحانی مخلوق بنایا گیا ہے اِس لئے ہر شخص کو خود سے، اپنے پڑوسی سے اور خُدا سے محبّت رکھنی چاہیئے۔ خُود سے اِس طرح کہ اپنی پُوری شخصیت کو باضابطہ بنائے جو روزہ یا جِسم کو رُوح کے تابع لائے بغیر ممکن نہیں۔ اپنے پڑوسی سے اِس طرح کہ اُس کے حقیقی مفاد کو اپنا مفاد سمجھے جو خیرات یا دُوسروں کی ضرُوریات پُوری کرنے کے لئے اپنے مال و دَولت سے کُچھ حِصّہ دِئے بغیر ممکن نہیں۔ خُدا سے اِس طرح کہ وُہ اُسے ایک شخصیّت سمجھتے ہُوئے اُس سے اپنی حقیقی ضرُوریات کے لئے دُعا میں درخواست کرے۔ ہر فرض میں نیّت یہ ہونا چاہیئے کہ اِس سے خُدا کی خوشنودی حاصِل ہو۔

خیرات

"پس جب تُو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسِنگا نہ بجوا جیسا رِیا کار عبادت خانوں اور کُوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ اُن کی بڑائی کریں۔ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ وُہ اپنا اجر پا چُکے۔ بلکہ جب تُو خیرات کرے تو جو تیرا دہنا ہاتھ کرتا ہے اُسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔ تاکہ تیری خیرات پوشِیدہ رہے۔ اِس صُورت میں تیرا باپ جو پوشِیدگی میں دیکھتا ہے تُجھے بدلہ دے گا" (متّی ۶: ۲-۴)۔

یہاں خُداوند صاف طور پر تشبیہ کو اِستعمال کرتا ہے۔ ایسی بات تو نہیں تھی کہ جب یہُودی خیرات کیا کرتے تو واقعی نرسِنگا بجوایا کرتے تھے۔ اِسی طرح جب

خُداوند یہ کہتا ہے کہ جو تیرا دہنا ہاتھ کرتا ہے اُسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تو وُہ تشبیہی معنوں میں ہی بات کر رہا ہے، کیونکہ خُداوند یہاں جس چیز کو منع کر رہا ہے وُہ نیک کاموں میں خودنمائی ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کو اپنے آپ کو پرکھنا چاہیئے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہماری نیّت کیا ہے۔ ہمیں قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ کبھی کبھی نیکی کرتے وقت ہم پر یہ آزمائش آتی ہے کہ لوگ کیا سوچیں گے۔ ہم پر اکثر ایسی آزمائش آئے گی لیکن اصل سوال یہ ہے کہ ہماری نیّت کیا ہے؟ جب لوگ ہمیں دیکھ نہیں رہے ہوتے تو کیا ہم نیک کام کرنا ترک کر دیتے ہیں؟ اگر ایسا نہ ہو تو ہمیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ پھر خودنمائی کا دخل نہیں ہے۔

دُوسری طرف اگر آپ چندے کی پلیٹ میں تو بڑی رقم ڈالیں لیکن تھیلی میں چھوٹی تاکہ لوگ آپ کو بڑا آدمی سمجھیں تو اِمکانِ غالب ہے کہ آپ کی نیّت مشکوک ہے۔

بہُت سے لوگ نیک کاموں کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اِنہیں خبردار رہنا چاہیئے کہ مبادا وُہ لوگوں کو بُری نیّت پر اُکسائیں۔ اگر وُہ لوگوں کی بُری نیّت اُکساتے ہُوئے پیسہ جمع کریں تو وُہ بھی اُن کے گُناہ میں شریک ہوں گے۔ اُس صُورت میں وُہ روپیہ نہ تو خُدا کے جلال کے لئے ہوگا اور نہ اُس کے نیک کام کیلئے۔

دُعا

"جب تُم دُعا کرو تو ریاکاروں کی مانند نہ بنو کیونکہ وُہ عبادت خانوں میں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر دُعا کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ لوگ اُن کو دیکھیں۔ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ وُہ اپنا اجر پا چُکے۔ بلکہ جب تُو دُعا کرے تو اپنی کوٹھڑی میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ

سے جو پوشیدگی میں ہے دُعا کر۔ اِس صُورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا" (متّی ۶: ۵-۶)۔

وُہی اصُول جس کے مُطابق ہمیں صِرف خُدا کی خوشنُودی کے طلب گار رہنا چاہیئے یہاں خُدا سے رفاقت رکھنے کے عمل میں کارفرما ہے۔ اِس بُنیادی اُصُول کے ماتحت ایک اور اُصُول چمکنے لگتا ہے جس کا اِطلاق خیرات کرنے اور روزہ رکھنے پر بھی ہوتا ہے: "وُہ اپنا اجر پا چُکے"۔

ہمیں ہر کام کا اُس کی نیّت کے مُطابق ہی اَجر مِلتا ہے۔ اگر آپ اِنسانی ستائش کی تلاش میں رہیں تو بالآخر وُہ آپ کو مِل جاتی ہے۔ اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کامیاب ہوں اور اچھی پوزیشن حاصل کریں تو اِمکان ہے کہ آپ کامیاب ہوں گے۔ پس اَجر کا تعلق نیّت سے ہے۔ خُداوند اِن گھٹیا نیّتوں اور اُن کے مُناسب اَجر کو مانتا ہے۔ ہمیں اِس کا ذِکر عہدِ عتیق میں بھی مِلتا ہے۔ بہُت سے مقامات پر خُدا اِن کم قدر نیّتوں کے مُطابق اَجر تقسیم کرتے نظر آتا ہے، مثلاً حزقی ایل ۲۹: ۱۸-۲۰ میں شاہ بابل نبوکدنضر کی فوج نے صُور کی بڑی زبردست مخالفت کی، لیکن اُن کو اُجرت نہ مِلی۔ اِس لئے خُدا مُلکِ مِصر کو اُن کی اُجرت کے طور پر اُن کے ہاتھ میں کر دے گا۔

پس اگر آپ کی نیّت دُنیاوی ہو تو آپ کا اجر بھی دُنیاوی ہو گا۔ پھر خُدا آپ کو پُورا پُورا اجر دیتا ہے، اِس لئے آپ کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ کُچھ باقی رہ گیا جو وُہ آپ کو بعد میں دے گا۔ ہنری نیوؔمین ایک مخلِص آدمی تھا۔ وُہ اُن میں سے ایک تھا جو خودنمائی کے بغیر اپنے احساسات کا برملا اظہار کر سکتے تھے۔ جب اُسے کارڈینل بنایا گیا تو اُس نے کہا "مَیں اِس عظیم عِزّت کو قبول کرنے سے ڈرتا ہُوں کہ کہیں مجھے اپنا پُورا اجر اِس زمین پر تو نہیں مِل رہا"۔

ایک حقیقی مسیحی ڈرتا ہے کہ جو کچھ وہ یہاں کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہیں اُسے اُس کا پورا اجر تو نہیں دیا جا رہا۔ اُس کی نیت محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اس لئے جب اُسے اِس دُنیا میں کوئی بڑا اجر دیا جائے تو وہ بے تاب ہو کر اپنی نیّت کو دوبارہ پرکھتا ہے ایسا نہ ہو کہ اُسے آسمان میں کوئی اجر نہ ملے۔

روزہ رکھنا

"جب تُم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اُداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا مُنہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ اُن کو روزہ دار جانیں۔ مَیں تُم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تُو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور مُنہ دھو۔ تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔ اِس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا" (متّی ۶: ۱۶-۱۸)۔

روزہ رکھنے کے موضوع پر غور کرتے وقت خداوند مشترکہ مذہبی کاموں یا معاملات کو ہلکا نہیں بنا رہا ہے (یہاں بھی اُسی اُصول کا اِطلاق ہوتا ہے جس کا دُعا یا خیرات پر ہوا تھا)۔ پولُس رسول ہمیں ۱-کرنتھیوں ۱۶: ۲ میں بتاتا ہے کہ ہم کلیسیا میں چندہ جمع کریں، اور خداوند متّی ۱۸: ۱۹--۲۰ میں کہتا ہے کہ ہم مل کر دُعا کریں۔ یہ پیشِ نظر رکھ کر اُس نے عشائے ربّانی کو قائم کیا جو کہ کلیسیا کا خُدا کے ساتھ مل کر رفاقت رکھنے کا سب سے بڑا موقع ہوتا ہے۔ پس یہ فرض کرنا نہایت مضحکہ خیز بات ہے کہ یہاں خُداوند اُس کام کو جو کلیسیا مل کر ایک بدن کی صورت میں کرتی ہے ہلکا بنا رہا ہے، کیونکہ اِن باتوں کو مل جُل کر کرنے سے ہماری حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ہم میں اپنے لوگوں اور خُدا کے لئے ذِمّہ داری پیدا ہوتی ہے۔ سب سے

بڑھ کر یہ فرض کر لینا نہایت مضحکہ خیز ہے کہ خدا عام روزہ رکھنے کی تو حوصلہ شکنی کر رہا ہے لیکن مِل کر دُعا یا خیرات کرنے کی نہیں کرتا۔ وہ کِسی مُعاملے میں بھی مُشترکہ مسیحی سرگرمیوں کی انجام دہی کو کم قدر نہیں بناتا۔ اِس کے برعکس وہ اِن کاموں میں نئے مُحرّک کو ظاہر کرتا ہے خواہ اِس کا تعلق دُعا سے ہو یا خیرات یا روزہ سے۔ اِن کا مُحرّک خُدا ہونا چاہیئے نہ کہ اِنسان۔

یہاں ایک مرتبہ پھر وہ اپنے ایمان کے ظاہری کاموں کے اِقرار کے خِلاف کُچھ نہیں کہہ رہا۔ عام طور پر ہم اُس وقت تک مُناسب طریقے سے شخصی یا اجتماعی دُعا نہیں کر سکتے، جب تک ہم دُعا میں درُست رُجحان اور درُست نیت اختیار نہ کریں۔ ہم دُعا میں ایسی نیّت اِختیار کریں جو خدا کے ساتھ ہمارے تعلق کے مُطابق ہو۔ ہم بڑی حلیمی اور خلُوص سے گھٹنے ٹیکیں تاکہ ظاہری اور باطنی حالت ایک جیسی ہو۔ ہم اپنے رُوحانی اِحساسات کا اِظہار اِس طرح نہیں کر سکتے کہ ہمارا جسم اُس سے مُتاثر نہ ہو۔ ہم رُوح اور جسم پر مشتمل ہیں، اور رُوحانی پرستش میں ہمارا ارادہ، دِل اور شعور و عقل مصرُوف ہوتے ہیں۔ یہ ایسا عمل ہے جس میں جسم بھی حِصّہ لیتا ہے۔ جب ہم درُستی سے دُعا مانگنا سیکھ لیتے ہیں تو پھر ہم دُعا کی عادت کو اپنی مُشترکہ زِندگی میں لے جا سکتے ہیں۔ بعینہٖ جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو اُسے بھی واضح ظاہری افعال سے ظاہر ہونا چاہیئے۔ یہاں ہمارا خُداوند اِسی اور صرف اِسی بات یعنی نیت پر زور دے رہا ہے جو ہر قسم کی راست بازی میں ظاہر ہونا چاہیئے خواہ اِس کا تعلق پرستش سے ہو یا خیرات یا اپنی ذات پر کنٹرول کرنے سے۔

روزے کا مطلب کیا ہے؟ اِس کے پیچھے کیا اُصول کارفرما ہے؟ خُداوند دُعا کی نسبت اِس پر بہُت کم خیال آرائی کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم روزے کا غلط اِستعمال کر سکتے ہیں۔ خُداوند کے زمانہ میں دُعا کے مقابلے میں اِس کا زیادہ

آسانی سے غلط اِستعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن روزہ رکھنے سے بالکل اِنکار کرنا بھی ایک عظیم غلطی ہے۔ خُداوند دُعا کرنے کی طرح روزہ رکھا کرتا تھا۔ اُس نے چالیس دِن اور رات روزہ رکھا۔ اُس نے اپنے شاگردوں کو روزہ رکھنے کو کہا (یعنی اُس وقت جب وُہ اُن سے جُدا ہو جائے گا)۔ پولُس رسُول کہتا ہے کہ روزہ اُس کے دستُورالعمل کا حِصّہ ہے۔ اِس طرح وُہ دُوسرے مسیحیوں کو اپنے بدن کو مارتے کوٹتے رہنے کو کہتا ہے تاکہ اُسے قابُو میں رکھ سکیں (۱۔کرنتھیوں ۹ : ۲۷؛ ۲۔کرنتھیوں ۱۱ : ۲۷)۔ پس کلیسیا شُروع ہی سے روزہ رکھتی آئی ہے، اور ہماری کلیسیاؤں میں بیداری کے عظیم محرکین نہ صرف خُود روزہ رکھتے تھے بلکہ اُنھوں نے روزہ رکھنے کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ پس اگر ہم اِسے نظر انداز کریں تو بے وقُوفی کا مظاہرہ کریں گے۔

روزہ کا کیا مقصد ہے؟ اِس کا مقصد یہ ہے کہ بدن کو رُوح کے ماتحت لایا جائے، ورنہ بدن کو سبقت حاصِل ہو جائے گی۔ ہمیں روزہ رکھنے کی ضرُورت اِس لئے نہیں ہے کہ بدن بُرا ہے بلکہ اِس لئے کہ ہمارے بدن کو پاک ہونا اور رُوح کا مؤثر ہتھیار بننا ہے۔ بعض اوقات لوگ اپنے بدن کے متعلق ایسے باتیں کرتے ہیں گویا وُہ حیوان ہو یا وحشی ہو۔ ایسے لوگ تصوّر کرتے ہیں کہ رُوح صِرف عارضی اور سرسری طور پر بدن کے ساتھ مُنسلک کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ ہماری کُل شخصیت کو رُوح کے کنٹرول میں ہونے کے باعث رُوحانی بننا ہے۔ جب زِندگی مادّی اَشیا میں سرایت کر جاتی ہے تو وُہ جیتی جاگتی زِندگی بن جاتی ہیں۔ بعینہٖ جب رُوح حیوانی بدن پر قبضہ کر لیتی ہے تو وُہ تمام بدن کو روحانی بنا دیتی ہے۔

کئی لوگ شہوت پرستی کو یہ کہہ کر کہ یہ "فطری" ہے جائز قرار دینے کی کوشِش کرتے ہیں۔ وُہ فرض کر لیتے ہیں کہ وُہ رُوح کو نظر انداز کر کے بدن کو اپنی مرضی کے

مُطابق اِستعمال کر سکتے ہیں۔ آدمیوں کے لئے کوئی بھی بات جِس میں رُوح کو شامِل نہ کیا جائے فِطری نہیں ہو سکتی۔ بدیں وجہ مسیحی شادی حقیقتاً فِطری ہوتی ہے۔ یہ جِسمانی تعلق کو رُوحانی مقصد عطا کرتی ہے اور گھر اور خاندان کے اعلیٰ مقاصد کو پُورا کرتی ہے۔ اِسی طرح کھانے اور پینے کو بھی رُوحانی مقاصد کو پُورا کرنا چاہیئے۔ ایک حقیقی مسیحی جو کُچھ بھی کرتا ہے وُہ سب رُوحانیت کا حِصّہ ہوتا ہے۔ لیکن چُونکہ ہمارا بدن بے قابُو ہوتا ہے اِس لئے وُہ رُوح کا محکُوم ہونے کے بجائے اُس پر حکُومت کرنے لگتا ہے۔ بریں بِنا ہمیں جیسا کہ پولُس رسُول نے فرمایا اِسے مارتے کوٹتے رہنا اور اپنے غلام کے طور پر قابُو میں رکھنا ہے۔

اِنہی وجُوہات کی بِنا پر اگر ہم اِتنے زیادہ یا بِلا سوچے سمجھے روزے رکھیں کہ ہمارا بدن رُوحانی سرگرمیاں جاری رکھنے کے ناقابِل بن جائے تو یہ بے وقُوفی اور غیر مسیحی رویّہ ہے۔ اگر آپ روزے کی وجہ سے کام نہ کر سکیں تو آپ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ لیکن متعدد لوگ خُوب کھاتے پیتے اور حد سے زیادہ سوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بدن اُن پر حکُومت کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہیئے تاکہ وُہ اپنے بدن کو قابو میں رکھ سکیں۔

آئیے اب ہم دُعا کے بارے میں متّی ۶ : ۷ - ۱۵ پر غور کریں۔

پہلی بات ہم یہ سیکھتے ہیں کہ دُعا کو اُس کی طوالت سے نہیں ناپا جاتا بلکہ اُس کی سنجیدگی اور خلُوص سے:

"دُعا کرتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو کیونکہ وُہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہُت بولنے کے سبب سے ہماری سُنی جائے گی" (متّی ۶ : ۷)۔

اَفسوس کی بات ہے کہ اکثر مسیحی کلیسیاؤں میں خُودکار مشینوں کی طرح دُعا کی جاتی ہے ۔ لیکن خُداوند ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ دُعا کی قدر و قیمت کا اندازہ اُس کی طوالت سے نہیں لگانا چاہیئے بلکہ دُعا مانگنے کے اِرادہ اور نیّت سے ۔ ہمیں اِس بات کو ہمیشہ ہی یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر ہم فرض کے طور پر اور کِسی لگے بندھے اصُول کے تحت دُعا مانگیں تو خطرہ ہے کہ ہماری دُعا میکانی یا مشینی نہ بن جائے اور کہ ہم اُسے اُس کی طوالت سے نہ جانچنے لگیں۔

دُوسری، مسیحی دُعا کا مقصد خُدا کو آگاہ کرنا نہیں ہے :

"پس اُن کی مانند نہ بنو کیونکہ تُمہارا باپ تُمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کِن کِن چیزوں کے محتاج ہو" (متّی ۶ : ۸) ۔

تو پھر خُدا کیوں چاہتا ہے کہ ہم اُس سے دُعا کیا کریں؟ اِس کا جواب بڑا سِیدھا سادا ہے ۔ کیونکہ خُدا ہمارا باپ ہے اور وُہ چاہتا ہے کہ ہماری اُس کے ساتھ متواتر رفاقت رکھنے کی عادت بن جائے ۔ لِہٰذا جِس جِس طرح خُدا کی بہُت سی نعمتوں کا اِنحصار ہمارے اُن کے حصُول کے لئے محنت کرنے پر ہے اُسی طرح بہُت سی برکات کا جو خُدا ہمیں دینا چاہتا ہے اِنحصار ہمارے مانگنے پر ہوتا ہے ۔ خُدا ہمیں وُہ برکات دینا چاہتا ہے لیکن وُہ ہمیں اُس وقت ہی مِلتی ہیں جبکہ ہم مانگتے ہیں ۔ یہ اِس لئے ہے تاکہ ہم خُدا سے متواتر رفاقت رکھتے رہیں اور محسُوس کریں کہ ہم اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ہیں ۔ اِس میں جو حِکمت پائی جاتی ہے ہم اُسے صِرف اُس وقت ہی محسُوس کرتے ہیں جبکہ ہم دُعا کرنا ترک کر دیتے ہیں ۔ اُسی وقت ہماری زِندگیوں سے خُدا کے ساتھ شخصی تعلق کا اِحساس بھی جاتا رہتا ہے ۔ پس ہم خُدا کو آگاہ کرنے کے لئے دُعا نہیں کرتے بلکہ اپنے باپ سے جو آسمان پر ہے رفاقت رکھنے کی عادت بنانے کے لئے ۔

سانواں باب

دُعائے ربّانی

خُداوند ہمیں دُعا کے بارے میں محض تصوّراتی اُصُول دے کر ہی مُطمئِن نہیں ہو جاتا بلکہ نمونہ دیتا ہے کہ کِس طرح دُعا کیا کریں ۔

"پس تُم اِس طرح دُعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ . . ."

(متّی ۶ : ۹) ۔

اِس عظیم دُعا کے سِلسلے میں اپنے آپ کو صِرف اہم نِکات تک ہی محدُود رکھوں گا ۔ پھر اُن چند ایک مُشکلات کو بیان کروں گا جو مُختلِف شقوں میں پائی جاتی ہیں اور اِس کے بعد اُن اُصُولوں کو مختصراً بیان کروں گا جو مجموعی طور پر اِس سے اُبھرتے ہیں ۔

"اے ہمارے باپ تُو جو آسمان پر ہے" (متّی ۶:۹) ۔

دُعا کی رُوح کا اِنحصار زیادہ تر اِس بات پر ہے کہ دُعا کرنے والے کا تصوّر خُدا کے بارے میں صحیح ہے یا غلط، موزُوں ہے یا غیر موزُوں ۔ مسیحی، خُدا کو اُس کے سب سے مکمّل لقب "باپ" کے نام سے پُکارتے ہیں کیونکہ "خُدا نے اپنے بیٹے کا رُوح ہمارے دِلوں میں بھیجا جو ابّا یعنی اے باپ! کہہ کر پُکارتا ہے" (گلتیوں ۴ : ۶) ۔ ہم خُدا کو اپنا "آسمانی باپ" کہہ کر اِس لئے نہیں پُکارتے کہ وُہ ہم سے بہُت دُور ہے —— مسیح کی بادشاہی میں آسمانی اور زمینی چیزیں مِل گئی ہیں اور ہم "آسمانی یروشلیم کے پاس" آ گئے ہیں (عبرانیوں ۱۲ : ۲۲) —— بلکہ اِس لئے کہ جِتنا آسمان زمین سے بُلند ہے اُتنا ہی وُہ بھی اِنسان کی آلُودگی اور

سرکشی اور جہالت سے بلند ہے ۔ پس اگرچہ ہمارا آسمانی باپ ہم سے بہت بلند ہے
تو بھی ہمارے بے حد نزدیک ہے ۔ ہماری سب سے پہلی دعا یہ ہے کہ :

"تیرا نام پاک مانا جائے" (متّی ۶ : ۹) ۔

خدا کا نام کیا ہے ؟ بائبل میں خدا اپنے آپ کو اپنے نام سے ظاہر کرتا ہے ۔
خدا نے اپنے آپ کو آدمیوں پر ظاہر کیا ہے ۔ اُس نے اپنے عظیم نام کو آدمیوں کی آنکھوں کے
سامنے، اُن کے دلوں میں، فطرت میں، عقل و شعور میں، اپنے انبیا کی آواز میں اور اپنے
بیٹے یسوع مسیح میں حرف بہ حرف اور حصہ بہ حصہ ظاہر کیا ہے ۔ یوں اُس کے نام کو پاک
ماننے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اُسے جیسا کہ اُس نے خود کو ظاہر کیا ہے باپ، بیٹے اور پاک
روح کے طور پر واحد خدا مانیں ۔ اس دعا کا مطلب کہ اُس کا نام پاک مانا جائے یہ
ہے کہ آدمی اُسے قبول کریں اور خلوت میں اور کھلے عام اقرار کریں ۔ وہ اپنے چال چلن اور
پرستش میں، عبادت خانے اور گھر میں، اتوار کے دن یا ہفتہ کے کسی اور دن اُس کا
اقرار کریں ۔

"تیری بادشاہی آئے" (متّی ۶ : ۱۰) ۔

یہودیوں کے نزدیک خدا کی بادشاہی کا مطلب المسیح کی بادشاہی تھا ۔ یعنی آنے
والا وہ زمانہ جبکہ آسمان اور زمین ایک ہو جائیں گے، جب خدا اپنے جلال میں ظاہر
ہو گا، جب ہر ایک چیز اپنی اصل صورت میں نظر آئے گی اور مسیح کی سلطنت نہ صرف
سچائی اور حلیمی اور راست بازی میں نظر آئے گی بلکہ پورے طور پر واضح اور مسلّمہ
بھی ہو گی ۔ اس دنیا کا خاتمہ ہو گا ۔ یہ الٰہی واقعات ہنوز مستقبل ہیں ۔ بعض
اوقات اس کلیسیا کو جو ہمارے درمیان موجود ہے "خدا کی بادشاہی" کہا جاتا ہے"
لیکن بعض مرتبہ اُسے ایک ایسا الٰہی ادارہ سمجھا جاتا ہے جو اپنی آمد کی تیاری کر رہا ہے ۔
پس بادشاہی کی آمد کے لئے دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کلیسیا کے پھیلاؤ اور

ترقی کے لئے، نیز سچائی، حلیمی، راست بازی اور ہر چیز کے لئے جو خدا کے
شہر میں پائی جائے گی دعا کریں ۔ آیئے ہم ہر قسم کی لاقانونیت کو ختم کرنے کے لئے بھی
دعا کریں ۔ یعنی شہوت، لالچ اور ہر قسم کی باغی خواہشات، گستاخی، دنیا پرستی،
جھوٹ، اور بطالت، جبر و تشدد اور بغض و حسد کو ۔ یہ سب سرکشی کی مختلف شکلیں
ہیں جو عارضی قبضے کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ اس لئے ہم مستقبل کا انتظار کر رہے ہیں
اور آنے والی بادشاہت کے بڑے خواہش مند ہیں ۔

"تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"
(متّی ۶ : ۱۰) ۔

یہ ہر قسم کی خود سری اور سستی و بے پروائی کے خلاف دعا ہے ۔ اس میں ہم
دعا کرتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر الٰہی نظام پھیل جائے ۔ یونانی میں یہ الفاظ
"جیسی آسمان پر ... زمین پر بھی ہو" غالباً اس سے پہلے کی تینوں شقوں سے
تعلق رکھتے ہیں یعنی تیرا نام جیسا آسمان پر پاک مانا جاتا ہے زمین پر بھی ہو ۔
تیری بادشاہی زمین پر آئے ۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین
پر بھی ہو ۔

"ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے" (متّی ۶ : ۱۱) ۔

یونانی میں "روز کی روٹی" کا مطلب کچھ مبہم ہے ۔ غالباً اس کا مطلب
"کل کی روٹی" ہے ۔ پس دعا یہ ہے کہ تو ہمیں کل کے لئے آج روٹی دے تاکہ خاندان
کے افراد کی جسمانی ضروریات پوری کی جا سکیں ۔ یہ ایک ایسی دعا ہے جو صرف
وہی کر سکتے ہیں جو اس حد تک قانع ہیں کہ انہیں صرف اتنا کچھ مل جائے کہ وہ
خدا کی خدمت کرنے کے قابل ہوں ۔ وہ اپنے لئے کسی ایسی چیز کی درخواست
نہیں کرتے جو وہ دوسروں کے لئے نہ مانگتے ہوں ۔ اس دعا میں ہم روز بروز

خُدا پر اِنحصار کرتے ہیں کہ وُہ ہماری ضرُوریات پُوری کرے گا۔

"اور جِس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو مُعاف کیا ہے تُو بھی ہمارے قرض ہمیں مُعاف کر" (متیؔ ۶ : ۱۲)۔

جب تک ہماری جِسمانی ضرُوریات پُوری نہیں ہوتیں، ہم خُدا کی خِدمت نہیں کر سکتے۔ اِس سے پیشتر جو دُعا مانگی گئی اُس کی وجہ یہی تھی۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی جب تک ہمارے خُدا کے ساتھ تعلقات اِطمینان بخش نہیں ہوتے ہم اُس کا کام نہیں کر سکتے۔ زیرِ غور دُعا کی وجہ یہی ہے۔ ہم گُناہ کو کئی زاویوں سے دیکھ سکتے ہیں: (۱) اپنی فطرت یا کِردار میں عَیب یا نقص، (۲) اِلٰہی قانون کی خلاف ورزی (آیت ۱۴) اور (۳) جیسے کہ یہاں ہے ایک ایسا کام جِس سے ہم خُدا کے حقُوق چھین کر ایک ایسے قرض تلے آ گئے جو ہم ادا نہیں کر سکتے، جِس کے لئے ہمیں اِلٰہی رحم کی ضرُورت ہے۔ پہلے نقطۂ نظر کے مُطابق جِس چیز کی ضرُورت ہے وُہ صحت یابی اور اصلاح ہے۔ دُوسرے نقطۂ نگاہ کے مُطابق ہمیں مُعافی کی ضرُورت ہے لیکن ایسی مُعافی جو صِرف اُس وقت ممکن ہے جب ہماری مرضی باپ کی مرضی بن جاتی ہے۔ صرف تیسرے نقطۂ نگاہ کے مُطابق ہی مُعافی قرض سے چھڑائے جانے کے مترادف ہے۔ یہ دُعا ہمیں اِس خیال سے بچاتی ہے کہ ہمارے قرض خُدا کی مرضی کے ساتھ مُطابقت پَیدا کئے اور خُدا کی بادشاہی میں رفاقت رکھے بغیر ہی مُعاف کِئے جا سکتے ہیں۔ خدا کی مُعافی ہماری مسیحی زِندگی کا بنیادی اُصُول ہے۔ اِس لئے دُوسروں کو مُعاف کرنا آسمانی بادشاہی کے شہری کا فرض ہے۔ خُداوند اُس اُصُول پر آیت ۱۴ میں تبصرہ کرتا ہے: "اِس لئے کہ اگر تُم آدمیوں کے قصُور مُعاف کرو گے تو تمُہارا آسمانی باپ بھی تُم کو مُعاف کرے گا۔ اور اگر تُم آدمیوں کے قصُور مُعاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمُہارے قصُور مُعاف نہ کرے گا"۔

اِس اُصُول کو ناشُکر نوکر کی تمثیل میں بڑے سادہ طریقے سے بیان کِیا گیا ہے (متیؔ ۱۸ : ۳۱)۔ اِس نوکر کا سارا قرض مُعاف کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ اُس نے اپنی باری پر اپنے ساتھی نوکر پر قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے ظلم و ستم ڈھا کر رحم نہ کیا اِس لئے اُسے آخر کار اپنا تمام قرض ادا کرنا پڑا۔ خُدا ہمارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہے جیسا ہم اپنے ہم جِنس اِنسانوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اگر ہم یہ پتہ کرنا چاہیں کہ خُدا ہمیں کِس نظر سے دیکھتا ہے تو ہمیں اپنے آپ سے پُوچھنا چاہیئے کہ ہم دُوسروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ ؎ کرو مہربانی تُم اہلِ زمیں پر خُدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر (حالیؔ)

"ہمیں آزمائش میں نہ لا" (متیؔ ۶ : ۱۳)۔

اِسے سمجھنا مُشکل ہے اور اِس کی صحیح تشریح کرنا تو اَور بھی دُشوار ہے۔ مُقدّس یعقُوبؔ لِکھتا ہے "جب تُم طرح طرح کی آزمائشوں میں پڑو تو اِس کو یہ جان کر کمال خوشی کی بات سمجھنا کہ تمُہارے اِیمان کی آزمائش صبر پَیدا کرتی ہے" (یعقُوب ۱ : ۲)۔ پس جب آزمائش کے ذریعہ ہی ہم مضبوط بنتے ہیں تو ہم آزمائش میں نہ پڑنے کے لئے کیوں دُعا کریں؟ اِس کی ایک تشریح تو مسیح کے اُن الفاظ میں مِلتی ہے جو اُس نے اپنے شاگردوں سے کہے جبکہ وُہ گتسمنی باغ میں جاں کنی کی حالت میں تھا: "جاگو اور دُعا کرو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو"۔ اگر آپ ہوشیار اور بیدار نہ رہیں اور دُعا کے بغیر بے پروائی سے زِندگی بسر کریں تو خُدا بطور سزا آپ پر آزمائش آنے دیتا ہے جِس کا مُقابلہ کرنا آپ کے لئے بہُت مشکل ہوگا۔ پس اِس دُعا کی تشریح یُوں کرنی چاہیئے: "اے خُدا ہمیں چوکس اور دُعاگو بنا تاکہ ہم آزمائش کے پھندے میں نہ پڑیں"۔ لیکن اِس آیت کی ایک اَور تشریح بھی ہو سکتی ہے جو مُجھے زیادہ مُناسب لگتی ہے۔ شاید اِس کا مطلب یسوعؔ مسیح کی ایک اَور دُعا سے واضح ہو جو اُس نے باغِ گتسمنی میں کی: "اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مُجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جَیسا مَیں چاہتا ہوں بلکہ

جیسا تُو چاہتا ہے ویسا ہی ہو"۔

"بلکہ بُرائی سے بچا" (متّی ۶ : ۱۳)۔

اِس کا مطلب ہے ہمیں شیطان یا اِبلیس سے بچا۔ آج کل بہُت سے لوگ شیطانی آزمائش کے وجُود کے قائل نہیں ہیں۔ کسی نے کیا خُوب کہا ہے کہ "شیطان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وُہ لوگوں کو اپنی عَدم موجودگی کا قائل کر لیتا ہے"۔ اِس میں یقیناً سچائی پائی جاتی ہے۔ اگر ہم یہ فراموش کر دیں کہ بُری رغبت نہ صِرف ہماری فِطرت کی طرف سے آتی ہے بلکہ بد رُوحوں کی طرف سے بھی تو یہ ہماری رُوحانی جدوجہد میں رکاوٹ بن کر ہماری نااُمیدی کو بڑھاتی ہے۔ مزید براں اگر مسیح سچّا نبی ہے — اگر وُہ ہماری رُوحانی جدوجہد کی وجوہات کو جانتا ہے تو شیطانی آزمائشیں یقیناً حقیقی ہیں کیونکہ وُہ ہمیشہ اِن کے بارے میں بتاتا رہا ہے۔ جب وہ بدی کو رُوح یا بدن کے خِلاف کام کرتے دیکھتا ہے تو اُس کا ذہن فوراً اُس کی تہ تک پہُنچ کر اُن جارحانہ قوتوں کو معلُوم کر لیتا ہے جو خُدا کی بادشاہی کو روکنے کے لئے سرگرمِ عمل ہوتی ہیں۔ اگرچہ وُہ جانتا ہے کہ بالآخر اُنہیں مغلوب کیا جائے گا اور یہاں تک کہ وُہ اب بھی اُس کے اِختیار میں ہیں تو بھی اُسے یہ بھی معلُوم ہے کہ وُہ اِس وقت بھی سرگرمِ عمل ہیں۔

اب ہم اُن چند ایک بڑے بڑے اصُولوں پر غور کریں گے جو دُعائے ربّانی میں ملتے ہیں :

۱۔ دُعائے ربّانی مُتعدد دُعاؤں میں سے ایک دُعا نہیں ہے بلکہ یہ تمام مسیحی دُعاؤں کے لئے ایک نمُونہ ہے : "پس تم اِس طرح دُعا کیا کرو"۔ اگر آپ دُعائے ربّانی کو سمجھ لیں تو اِس سے آپ کو عِلم ہو جائے گا کہ مسیحیوں کو کیسے دُعا کرنی چاہئے۔ یہ کہنا دُرست ہو گا کہ دُعائے ربّانی کو یسُوع مسیح کی رُوح میں سمجھنا اور اُسی طرح مانگنا مسیحی ترقی کا راز ہے۔

خواہ ہم کِسی بھی خاص موضُوع کے لئے دُعا کرنا چاہتے ہوں، ہم اُس کے لئے اُس وقت تک دُرستی سے دُعا نہیں کر سکتے جب تک کہ اُسے دُعائے ربّانی کی رُوح میں نہیں کرتے۔ مَیں پھر کہتا ہُوں کہ دُعائے ربّانی بہُت سی دُعاؤں میں سے ایک دُعا نہیں ہے۔ یہ تمام مسیحی دُعاؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اِس کی مدد سے ہم جانچ سکتے ہیں کہ آیا ہماری وقت کی ضرُوریات "مسیح کے نام میں" پیش کی گئی دُعا بن سکتی ہیں یا نہیں!

۲۔ مَیں نے کہا "مسیح کے نام میں"۔ دُعائے ربّانی مسیح کے نام میں ایک عظیم دُعا ہے۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ بہُت سے لوگ یہ عجیب بچگانہ خیال رکھتے ہیں کہ مسیح کے نام میں دُعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی دُعا کے آخر میں "مسیح کے نام سے" الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن یہ الفاظ لگانے سے دُعا مسیح کے نام میں دُعا نہیں بنتی۔ مسیح کے نام میں دُعا کرنے کا مطلب ایسے طور پر دُعا کرنا ہے جِس سے مسیح کی نمائندگی ہوتی ہو۔ نمائندہ ہمیشہ اُنہی کی رُوح اور معنوں میں بات کرتا ہے جن کی وُہ نمائندگی کرتا ہے۔ اگر مسیح ہمارا نمائندہ ہو تو وُہ ضرُور ہی ہماری خواہشات یا جو کُچھ ہمیں اپنی خواہشات کو بتانا چاہئے پیش کرے گا۔ اور اگر ہم مسیح کے نام میں دُعا کریں تو خواہ ہماری اور اُس کی خواہشات میں کِتنا ہی فرق کیوں نہ ہو ہم اُس کی خواہشات اور اِرادوں کو ظاہر کریں گے۔

چونکہ دُعائے ربّانی بنیادی اور مکمل طور پر اُس کی رُوح کا اِظہار کرتی ہے جِس نے سب سے پہلے اُسے کہا اور اپنی کلیسیا کو سکھایا تھا، اِس لئے یہ مسیح کے نام کی ہر ایک دُعا کا اعلیٰ نمُونہ ہے۔ اگر کوئی دُعا مسیح کے نام میں کی گئی تو یہ دُعائے ربّانی ہے۔ پس کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ کِس بات کے لئے آپ مسیح کے نام میں دُعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اِس کا جواب ایک اَور سُوال میں مِلتا ہے : کیا یہ بات

دُعائے ربّانی کے دائرے میں آتی ہے ؟

۳ - اِبتدائی کلیسیا میں دُعائے ربّانی کو جاننا اور مسیح کے نام میں کہنا مسیحی خاندان یعنی کلیسیا کے ممبروں کا خاص نشان تھا - یہ اپنے ابتدائی الفاظ "اے ہمارے باپ" کی وجہ سے "خاندانی" دُعا ہے - عمومی معنوں میں خُدا تمام بنی نوع انسان کا باپ ہے - وُہ چاہتا ہے کہ تمام اِنسان اپنی فرزندیت کو قبول کریں - اِنسان حقیقی بلوغت تک اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک وُہ اپنے آپ کو خُدا کے فرزند نہ سمجھیں -

چونکہ گُناہ نے اِنسان کو خدا سے جُدا کر دیا ہے ، اِس لئے اب وُہ مسیح اور اُس کے رُوح کے ذریعہ خُدا کے فرزند بنتے ہیں - خُدا کو "اے باپ" کہہ کر پکارنے کا حق پاک رُوح کی آمد سے شروع ہوتا ہے : "چونکہ تُم بیٹے ہو اِس لئے خُدا نے اپنے بیٹے کا رُوح ہمارے دِلوں میں بھیجا جو ابّا یعنی اے باپ ! کہہ کر پکارتا ہے" (گلتیوں ۴ : ۶) - یاد رہے کہ اگر ہم خُدا کو اپنا باپ کہیں تو ضرُوری ہے کہ ہم اُس کے بیٹے ہوں - خُدا کے بیٹے صرف وہی ہیں جو پاک رُوح کی راہنمائی میں چلتے ہیں -

پس دُعائے ربّانی مسیحی خاندانوں کی اور کُل کلیسیا کی دُعا ہے - اگرچہ یہ دُعا تنہائی میں کی جاسکتی ہے تو بھی یہ تمام قوموں کی ، قبیلوں کی ، لوگوں کی ، زُبانوں کی ، موجُودہ اور اگلی دُنیا کی ضرُوریات بھی پوُری کر سکتی ہے -

۴ - دُعائے ربّانی میں درخواستوں کی جو ترتیب ہمیں ملتی ہے اُس سے ہم ایک دِلچسپ بات سیکھ سکتے ہیں -

ایک کہاوت جِس کا ذِکر اگرچہ انجیلوں میں تو نہیں مِلتا لیکن وُہ کلیسیا کی اِبتدائی روایات میں سے ہے ملاحظہ کیجئے : "بڑی چیزوں کی درخواست کرو تو چھوٹی چیزیں بھی تمہیں مِل جائیں گی - آسمانی چیزوں کی تلاش میں رہو تو زمینی چیزیں بھی تمہیں دے دی جائیں گی" - دُعائے ربّانی کی بعینہٖ یہی رُوح ہے - یہ ہماری ضرُوریات

کو درُست ترتیب میں رکھتی ہے - یہ آسمانی چیزوں کو جِن کی ہمیں سب سے زیادہ ضرُورت ہے اوّلیت دیتی ہے اور چھوٹی چیزوں کو جِن کا تعلق زمین سے ہے اور جو ہمیں اکثر زیادہ پسند ہوتی ہیں بعد میں رکھتی ہے -

اپنی دُعاؤں میں اِس ترتیب کو قائم رکھنا مُشکل ہے - کُچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے دُعا مانگنے کی عادت ہی کو ترک کر دیا ہے اور صرف مشکلات کے دَوران دوبارہ دُعا کرنے لگتے ہیں - شاید بیٹا یا بیٹی قریب المَوت ہو - یا شاید کوئی المیّہ ہمارے سَروں پر منڈلا رہا ہو جس کی وجہ سے ہم کافی عرصے بعد اپنے گھٹنوں کے بَل دُعا میں جُھکے ہیں تاکہ اس کے اثرات سے بچ جائیں - یہ خُدا کی مہربانی ہے کہ وُہ آدمیوں کو کِسی نہ کِسی طریقے سے دُعا کرنے پر آمادہ کر لیتا ہے اور ہماری راہنمائی زمین سے آسمان کی طرف کر سکتا ہے - تو بھی یہ دُعا کی درُست ترتیب نہیں ہے - ایسی دُعا جو محض ہماری ضروریات سے اُبھرتی ہے "مسیح کے نام میں" دُعا نہیں کہلا سکتی -

خُداوند نے اپنی مَوت سے پیشتر اُس بالاخانہ میں اُن سنجیدہ لمحات کے دَوران اپنے شاگردوں سے فرمایا : "اب تک تم نے میرے نام سے کُچھ نہیں مانگا" (یُوحنّا ۱۶ : ۲۴) - اگرچہ شاگردوں نے بہُت سی دُعائیں مانگی اور درخواستیں پیش کی تھیں تاہم وُہ سب اُن کے اپنے نام میں تھیں - ہم بھی اکثر یہی کُچھ کرتے ہیں - اِس غلطی کی درُستی کی ضرُورت ہے - ہماری دُعائیں ضرُور ہی مسیح کے نام میں کی جائیں یعنی اُس ترتیب کے مُطابق جو دُعائے ربّانی میں ہمیں ملتی ہے -

آیئے اب ہم اِس ترتیب پر غَور کریں - اِنسانی فِطرت کے مُطابق جو دُعا کی جاتی ہے وُہ کُچھ اِس طرح ہوتی ہے : "اے باپ ! مُجھے آج وُہ چیز دے جِس کی مُجھے سخت ضرُورت ہے" - لیکن دُعائے ربّانی کا آغاز اِس طرح ہوتا ہے : "اے ہمارے باپ" یعنی "مجھے" نہیں بلکہ "ہمارے" - یہ یاد رکھتے ہُوئے کہ مَیں خُدا کی

عظیم جماعت کا صرف ایک فرد ہُوں مجھے اجتماعی حیثیت کے مُقابلے میں اپنی انفرادی حیثیت سے دستبردار ہونا چاہیئے۔ اِس دُعا میں خود غرضی کا کوئی حِصّہ نہیں ہو سکتا۔ پَس جب مَیں اِس طرح دُعا مانگُوں تو وُہ دُوسروں کے مفاد سے ٹکرائے گی نہیں۔

آگے ہم پڑھتے ہیں: "تُو جو آسمان پر ہے"۔ یہ دُعا ہمیں بڑے ادب سے خُدا کے پاؤں میں لا کھڑا کرتی ہے۔ خُدا آسمان پر ہے اور ہم زمین پر ہیں، اِس لئے ہمارے الفاظ تھوڑے ہونے چاہئیں۔

"تیرا نام پاک مانا جائے"۔ یہ خدا کے مُکاشفہ بِالذّات کو اِنسان کی تمام ضروریات سے بالا بنا دیتا ہے۔ ہم خُدا کی عزّت و جلال کو سب سے آخر میں جگہ دیتے ہیں، لیکن یہاں ہمیں اُسے سب سے اوّل جگہ دینے کو کہا گیا ہے۔ اِس کے بعد "تیری بادشاہی آئے"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ خُدا کا وُہ عظیم مقصد جسے تاریخ کے عظیم تانے بانے میں مُختلف حِصّوں اور طریقوں سے بُنا گیا ہے بالآخر پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ یوں ہمیں دُعا کرنی ہے کہ ہمارے محدُود مفادات اور سکیم الٰہی مقصد کی وسعت اور حِکمت میں مل کر گُم ہو جائیں۔

"تیری مرضی جیسی آسمان پر پُوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"۔ یہاں ہمیں اپنی ضِدی یا کوتاہ نظر مرضی کو خُدا کی مرضی کے مُطابق ڈھالنے اور آسمانی شریعت کو زمین کے لئے نمونہ بنانے کو کہا گیا ہے۔ صِرف اُس وقت ہی جبکہ ہم خُدا کے جلال کو اِنسانی ضرُورت پر ترجیح دیتے ہیں، جبکہ ہم اپنی حقیر مرضی کو خُدا کی عظیم مرضی کے تابع کر دیتے ہیں، ہم اپنی ضروریات کا اِظہار کر سکتے ہیں۔ اِس کے بعد ہمیں کتنی عاجزی سے یہ دُعا مانگنی ہے کہ "ہمیں دے"۔ کوئی بڑی چیز نہیں بلکہ "کل کے لئے ہمیں آج روٹی دے"، اِتنی کہ ہم اِس کے ذریعہ سے خُدا کے کام کو اُس کے طریقے کے مُطابق انجام دے سکیں اور کہ ہمارے کھانے کی وجہ سے دُوسرے بھُوکے نہ رہیں۔ چونکہ ہم

اُس وقت تک خُدا کے کام کو نہیں کر سکتے جب تک کہ ہماری خُدا کے ساتھ صُلح نہ ہو ہم یہ دُعا مانگتے ہیں کہ "ہمارے قرض ہمیں مُعاف کر" کسی اور طریقہ سے نہیں بلکہ اِس ضرُوری اصُول کے مُطابق کہ ہم دُوسروں کے ساتھ کیسا سلُوک کرتے ہیں یعنی "جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو مُعاف کیا ہے" خُدا ہمارے ساتھ سلوک کرے۔ چونکہ ہم کمزور اور آزمائشوں کا مُقابلہ کرنے کے ناقابل ہوتے ہیں اِس لئے ہم یہ دُعا کرتے ہیں کہ "ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ بُرائی سے بچا"۔

تو پھر کیا اِس دُعا میں دُعا کرنے کا تمام فلسفہ نہیں پایا جاتا؟ آدمی مختلِف قسم کی دُعائیں، قُربانیاں اور صدقے پیش کرتے رہے ہیں کیونکہ وُہ خُدا کے کردار اور اُس کے طریقے سے ناواقف تھے۔ لیکن اب مسیح خُداوند نے ہمارے ذہنوں کو خُدا کے کردار اور مقصد کے بارے میں روشن کر دیا ہے۔ اُس نے ہمیں دِکھایا ہے کہ ہمیں خُدا کی حِکمت پر اپنے ناقص خیالات کو نہیں ٹھونسنا چاہیئے بلکہ ہماری دُعا کو خُدا کی مرضی سے متواتر مُطابقت رکھنی چاہیئے۔ اِس طرح ہم اپنی کوتاہ اندیش مرضی کو اَچھّے فرزندوں کی طرح خُدا کی مرضی کے مُطابق بنا لیتے ہیں جو تمام نوعِ انسان اور اِس عظیم کائنات کا دانائے کُل باپ ہے۔

۵۔ آخر میں ہمیں اِس سُوال کا کہ ہم کس بات کے لئے دُعا کریں اور کِس بات کے لئے نہ کریں جواب مِل جاتا ہے۔

خُداوند نے اِس کا جواب ایک اَور موقع پر یعنی اپنے دُکھوں کی دُعاؤں میں دِیا۔ اپنے دُکھوں میں اُس نے بادشاہی کی آمد کے لئے دُعا کی۔ یہ عظیم دُعا یُوحنّا کی انجیل میں مرقوم ہے۔ اُس کی یہ دُعا غیر مشرُوط تھی۔ اُس نے اُن اکھڑ سپاہیوں کے لئے دُعا کی جو اُسے بے حد دُکھ دے رہے تھے۔ اُس نے کہا "اے باپ! اِن کو مُعاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں"۔ لیکن جب اُس نے گتسمنی باغ میں اپنی بشریت

میں متوقع دُکھوں سے بچائے جانے کے لئے دُعا کی تو وُہ مشروط تھی: "اے باپ! اگر تُو چاہے تو یہ پیالہ مجُھ سے ہٹالے"۔

دُعائے ربّانی کا بھی بعین یہی سبق ہے —— بہُت سی ایسی چیزیں ہیں جو خُدا نے ہم پر ظاہر کی ہیں کہ وُہ ہمیں دینا چاہتا ہے۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ وُہ ہمیں سب چیزیں دے گا جن کا تعلق اُس کی بادشاہی اور اُس کی راست بازی سے ہے۔ ہم اُن چیزوں کے لئے نہ صِرف فوری طور پر دُعا کر سکتے ہیں بلکہ اِس ایمان کے ساتھ بھی کہ وُہ ہمیں اور دُوسروں کو بھی مِل جائیں گی۔ بے شک ہم دُوسروں کو مجبُور تو نہیں کر سکتے لیکن ہم ایمان کی یقین دِہانی کے ساتھ، جس طرح اپنے لئے دُوسروں کے لئے بھی خُدا کی بادشاہی کے رُوحانی مواقع، ذرائع اور فوائد حاصِل کر سکتے ہیں۔

اِس کے علاوہ بہُت سی ایسی چیزیں ہیں جِن کے بارے میں خُدا نے ہم پر ظاہر کر دیا ہے کہ وُہ ہمیں دینا نہیں چاہتا۔ نیز اُس کے رُوحانیت اور جِسمانیت کی ترتیب کے بارے میں بھی قوانین ہیں، جِن کا اِنکشاف اُس نے ہم پر مکاشفہ یا فطری تحقیق کے ذریعہ کیا ہے۔ ہمیں اِن چیزوں کے لئے یا اِن قوانین کے خِلاف دُعا نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں خُدا سے یہ درخواست نہیں کرنی چاہئے کہ وُہ ہمارے ذاتی فائدہ کے لئے اپنے عام قوانین کو توڑ دے۔

لیکن اِن دونوں کے درمیان بھی بہُت سی چیزیں ہیں۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ آیا خُدا یہ چاہتا ہے کہ فلُاں بیمار شفایاب ہو یا نہیں، یا یہ یا وُہ آفت ٹل جائے یا نہیں۔ خُدا ہم سے کہیں زیادہ دانِش مند ہے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ بارِش جو ہماری فصلوں کے لئے نہایت ضرُوری ہے برسانا چاہتا ہے یا نہیں۔ اِس قِسم کی بہُت سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے

اور جن تک اِنسانی عقل پہنچ نہیں سکتی۔ پس چونکہ دُعا کا مقصد یہ نہیں ہے کہ خُدا کی مرضی کو اِنسانی سطح پر لائے بلکہ یہ ہے کہ اِنسانی مرضی کو اِلٰہی مرضی کے مطابق بنائے، اِس لئے ہم اُن چیزوں کے بارے میں دُعا تو کر سکتے ہیں لیکن یقین کے ساتھ نہیں۔ "اگر ممکن ہو تو یہ یا وُہ بات ہو جائے، تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پُوری ہو"۔

آٹھواں باب

دُنیا سے بے غرضی

متّی کی انجیل باب ٦ کا مرکزی خیال جیسا کہ ہم نے دیکھا یہ ہے کہ ہم اپنی رُوحانی زِندگی کی تمام سرگرمیوں میں خُدا کی تصدیق اور خوشنودی کے خواہش مند ہوں - ایسی زِندگی کا صِرف ایک ہی مالک ، خدا ہے جِس پر وُہ قطعی اِنحصار کرتی ہے - اِس کا نتیجہ یہ نِکلتا ہے کہ وُہ دُنیا کی فِکروں سے آزاد ہو جاتی ہے - چنانچہ یہاں جو کُچھ خُداوند بتا رہا ہے وُہ یہ ہے کہ ہم مادّی اَشیا پر اِعتماد نہ کریں - وُہ کہتا ہے :

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں - بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں - کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دِل بھی لگا رہے گا" (متّی ٦: ١٩-٢١) -

جِن دِنوں میں خدُاوند نے یہ الفاظ کہے ، اُس وقت اکثر لوگ اپنا روپیہ اور دیگر قیمتی اَشیا حفاظت کے لئے زمین میں دَفن کر دیتے تھے - چنانچہ چوروں کا کام یہ ہوتا تھا کہ وُہ مکان میں یا کھیت میں جِس جگہ خزانہ دَفن ہونے کی توقع ہوتی کھودتے تھے - خُداوند کی تشبیہ کا یہی مطلب ہے - ہمیں اپنے خزانہ کو آسمان پر جمع کرنا ہے جہاں تک چور نہیں پہنچ سکتا اور نہ تخریب کا قُدرتی عمل اِس پر اثر انداز ہو سکتا ہے - آسمان خُدا کا تخت ہے - وہاں اُس کی

مرضی مکمّل طور پر پُوری ہوتی ہے - مسیح کی بادشاہی آسمان کی بادشاہی ہے - وُہ دُنیا میں اپنی کلیسیا میں نمایاں ہے - یہاں خُدا کو پُورے طور پر جانا اور مانا جاتا ہے - چونکہ اُس کی بادشاہی آسمانی ہے اِس لئے اِنسان کے لئے اُس کی خیر خواہی خاص آزادی اور بھرپُوری سے کام کر سکتی ہے -

پَس اگر آپ سے پوچھا جائے کہ ہم آسمان پر کون سا خزانہ جمع کریں تو آپ بڑے اِعتماد سے کہہ سکتے ہیں " آسمان پر خزانہ جمع کرنے سے وُہ کام مُراد ہیں جو خُدا کی بادشاہی کو بڑھاتے یا اِس سے تعلق رکھتے ہیں " - جِس بات کا خداوند یہاں یقین دلاتا ہے یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ کا کوئی کام ، ہمارے دِل کا کوئی خیال اور ہمارے مُنہ کا کوئی لفظ جو خُدا کی بادشاہی کو ترقی دینے کا سبب بنتا ہے خواہ وُہ اِس لمحہ بے وُقعت نظر آئے وُہ حقیقتاً اِلٰہی خزانہ میں جمع ہو جاتا ہے - جب بالآخر آسمانی شہر نیا یروشلیم ظاہر ہو گا تو ہماری وُہ مخلصانہ مَساعی جو بظاہر بے اثر نظر آتی تھی اُس اَبدی اور آسمانی مکان میں اینٹ کی صُورت میں لگی ہُوئی نظر آئے گی -

مسیح خُداوند اُس مشکِل کا جو متواتر سچّے مسیحیوں کو پریشان کئے رکھتی ہے کہ "مَیں خُدا کو کیسے پیار کرنا سیکھ سکتا ہُوں ؟" جواب دیتا ہے - ایسے مسیحی کہتے ہیں کہ "مَیں اپنا فرض تو ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن مَیں محسُوس نہیں کرتا کہ مَیں خُدا کو پیار کرتا ہُوں " - خُداوند اِس کا یہ جواب دیتا ہے کہ "جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دِل بھی لگا رہے گا" - خُدا کے لئے کام کرو یعنی وُہ کرو اور کہو جو وُہ چاہتا ہے - اپنے ارادوں اور خیالات کو خُدا کی طرف لگاؤ تو تمُہاری باطنی تحریک ، تمہاری عقل و شعُور ، تمہاری محبّت اور تمہارے احساسات یہ سب بتدریج خُدا کے مقصد کے مُطابق بدل جائیں گے - خُدا کے لئے کام کرو - اگر تُم پہلے خُدا سے اپنی محبّت کا اِظہار کر رہے ہو تو تُم آخر میں اِسے ضرُور محسُوس کرو گے -

"بدن کا چراغ آنکھ ہے۔ پس اگر تیری آنکھ درست ہو تو تیرا سارا بدن روشن ہوگا۔ اور اگر تیری آنکھ خراب ہو تو تیرا سارا بدن تاریک ہوگا۔ پس اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریکی ہو تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی۔ کوئی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت۔ یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے" (متی ۶: ۲۲-۲۴)۔

پس نہایت اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہم یک سوئی سے خدا کو تلاش کرتے ہیں؟ یک سوئی زندگی کو روشن کرتی اور اُسے قوت دیتی ہے۔ اپنی چھوٹی اور بڑی باتوں میں خدا کو اوّل درجہ دیں۔ تب آپ کی زندگی روشنی اور قوت سے بھری ہوگی۔ یا تو آپ خدا کو اوّل درجہ دیتے ہیں یا پھر بالکل جگہ نہیں دیتے۔ کسی بھی آدمی کی زندگی کو ٹٹولیں۔ بالآخر آپ کو علم ہو جائے گا کہ اُس کی زندگی پر ایک ہی مقصد چھایا ہُوا ہے۔ یا تو وہ پوری کوشش سے خدا کی مرضی بجا لائے گا یا پھر وہ وہی کرے گا جس سے اُسے اِس دُنیا میں فائدہ پہنچتا ہے۔ جب ایک آدمی کو مشکل حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُس کا اصل مقصد کیا ہے۔ اُس وقت وہ جس اصول پر عمل کرتا ہے وہی اُس کا اصل اصول ہوتا ہے۔ یہ اصول زندگی میں صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ تہ میں خدا ہوتا ہے یا پھر دولت جو اُس کی زندگی پر حاوی ہوتی ہے۔ یوں آپ یا تو خدا کو اوّل درجہ دیتے ہیں یا پھر کوئی جگہ بھی نہیں۔ اگر اُس کو اوّل درجہ حاصل نہیں تو پھر زندگی کسی اور مقصد کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کے لئے خدا کی حیثیت سجاوٹ کی شے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

لیکن اگر ہم تمام چیزوں میں صرف خدا ہی کی خدمت کریں تو کیا اِس سے ہماری زندگی کوتاہ نظر اور محدود نہیں ہو جائے گی؟ کیا خدا ہماری آزادی کو بے حد محدود نہیں کر دے گا؟ خدا کی ذات میں سب کچھ پایا جاتا ہے۔ اِس دُنیا میں جو کوئی خوبصورتی یا سچائی یا بھلائی ہے وہ آپ کے لئے جائز اور باعثِ خوشی ہو سکتا ہے۔ خدا کے ساتھ محبت اور اُس کی خدمت کرنے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ جو سچائی اور خوبصورتی دُنیا میں پائی جاتی ہے اور جو خوبیاں اِنسانی کردار میں پائی جاتی ہیں آپ کے لئے جائز اور خوشی کا باعث ہوں گی۔ اِس کا ایک اَور نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اور مضبوطی سے اپنے خاندان، اپنے ملک، اپنی کلیسیا اور تمام انسانیت کے ساتھ وفادار رہیں گے۔ "سب چیزیں تمہاری ہیں۔ خواہ پولُس ہو خواہ اپلّوس۔ خواہ کیفا خواہ دُنیا۔ خواہ زندگی خواہ موت۔ خواہ حال کی چیزیں خواہ اِستقبال کی۔ سب تمہاری ہیں۔ اور تم مسیح کے ہو اور مسیح خدا کا ہے" (۱-کرنتھیوں ۳: ۲۲-۲۳)۔

پس ہمیں یہ خدشہ محسوس نہیں کرنا چاہیئے کہ خدا کو اوّل درجہ دینے اور پورے طور پر اُس کی خدمت کرنے سے ہماری کوئی لیاقت محدود یا ہماری کوئی خوبی کم ہو جائے گی۔ اِس کے برعکس ہماری شخصیّت کی ہر اہم قوت اور ہماری زندگی کی باطنی تحریک بڑھتی ہی جائے گی۔ "اگر تیری آنکھ درست ہو تو تیرا سارا بدن روشن ہوگا۔"

لیکن اِس کے ساتھ ہی خداوند ہمارے ضمیر کی ایک مُمکن حالت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ وہ روشنی جو ہم میں ہے تاریکی بن سکتی ہے۔ ہم اکثر کہتے ہیں کہ ہم صرف اپنے ضمیر کی پیروی کرنے کے پابند ہیں، گویا کہ کوئی ہمیں اُس وقت تک مُلزم نہیں ٹھہرا سکتا جب تک کہ ہم اپنے ضمیر کی آواز پر کان لگائے رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ اپنے ضمیر کو روشن رکھیں۔ جس طرح ہماری ناتربیّت یافتہ عقل شعور غلطی کر سکتے ہیں اُسی طرح ہماری بصیرت

بھی فریب کھا سکتی ہے ۔ غالباً وُہ مُلزم جو اپنے جُرم کے باعث عدالت میں پیش ہوتے ہیں ان میں سے اکثریت جُرم کا اِرتکاب کرتے وقت اپنے ضمیر کے مطابق کام کر رہی ہوتی ہے ۔ اُنہوں نے کافی عرصہ پہلے اپنے ضمیر کو سخت اور تاریک کر لیا ہوتا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے زمانہ میں سب سے زیادہ اِس حقیقت کی طرف توجہ دِلانے کی ضرورت ہے کہ ضمیر کا مقصد صرف خُدا اور اُس کی مرضی کو جاننا ہے ۔ اگر اِس کی تربیّت نہ کی جائے تو یہ یقینی بات ہے کہ یہ غلط صلاح دے گی ۔ اِسے تربیت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اُسے "دُنیا کے نور" کے سکول میں داخل کر دیا جائے ۔ افسوس کی بات ہے کہ ہزاروں ایسے باعزّت اور خُود ساختہ روشنی سے منوّر لوگ ہیں جن میں جو روشنی پائی جاتی ہے وُہ تاریکی ہے ۔

خُدا کو تلاش کرنے میں یک دِلی کا نتیجہ یہ نِکلتا ہے کہ ہم دُنیاوی فِکروں سے آزاد ہو جاتے ہیں ۔ اِس باب کا اِختتامی مرکزی نکتہ یہ ہے کہ "پہلے تم اُس کی بادشاہی اور اُس کی راست بازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں تم کو مل جائیں گی"۔ پہلے خُدا کی طرف دیکھیں ۔ اُس کی فرمانبرداری کریں ۔ اُسے اپنے دِل میں سب سے بُلند مقام دیں ۔ وُہ آپ کا باپ ہے اِس لئے آپ اُس پر اعتماد کر سکتے ہیں ۔ اگر آپ ہر روز اُس کی مرضی بجا لائیں اور اپنی فِکریں اُس پر ڈال دیں تو آپ اپنے مُستقبِل میں اپنی تمام فِکروں سے آزاد ہو سکتے ہیں ۔ آپ مُطمئِن زِندگی بسر کر سکتے ہیں ۔ جیسی کہ تمثیل میں جنگلی پھُول اور ہوا کے پرندے بے فِکر زِندگی بسر کرتے نظر آتے ہیں ۔ خُداوند کے الفاظ یہ ہیں :

"اِس لئے مَیں تم سے کہتا ہُوں کہ اپنی جان کی فِکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے ؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے ؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں ؟ ہوا کے

پرِندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمُہارا آسمانی باپ اُن کو کِھلاتا ہے ۔ کیا تُم اُن سے زیادہ قدر نہیں رکھتے ؟ تُم میں ایسا کون ہے جو فِکر کر کے اپنی عُمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے ؟ اور پوشاک کے لئے کیوں فِکر کرتے ہو ؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غَور سے دیکھو کہ وُہ کِس طرح بڑھتے ہیں ۔ وُہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں تو بھی مَیں تم سے کہتا ہُوں کہ سلیمان بھی باوجُود اپنی ساری شان وشوکت کے اُن میں سے کِسی کی مانند ملبس نہ تھا ۔ پس جب خُدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنُور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اَے کم اِعتقادو تُم کو کیوں نہ پہنائے گا ؟ اِس لئے فِکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے ؟ کیوں کہ اِن سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمُہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تُم ان سب چیزوں کے مُحتاج ہو ۔ بلکہ تم پہلے اُس کی بادشاہی اور اُس کی راست بازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مِل جائیں گی ۔ پس کل کے لئے فِکر نہ کرو کیونکہ کل کا دِن اپنے لئے آپ فِکر کر لے گا ۔ آج کے لئے آج ہی کا دُکھ کافی ہے" (متّی ۶ : ۲۵ - ۳۴) ۔

فِکرمندی ۔ یہی وُہ شے ہے جس سے ہمیں رہائی کی ضرورت ہے ۔ خُداوند ہمیں جس چیز کے بارے میں آگاہ کر رہا ہے وُہ پیش بینی یا اِحتیاط نہیں ہے بلکہ فِکر و تشوِیش اور اِضطراب ہے ۔ ہمیں خُدا پر اعتماد کرنا چاہیئے ۔ ہم ہر روز اپنے روزمرّہ کے فرائض انجام دیں اور پھر نتائج کے لئے خُدا پر بھروسا کریں ۔ فِکر و تردُّد سے رہائی پانے میں بِلاشُبہ خداوند ہی ہمارا نمونہ ہے ۔ وُہ

اپنی خدمت کے دوران ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتے ہوئے ایک خاص منصوبہ کے مطابق زندگی بسر کرتا رہا، لیکن اِس کا نتیجہ کبھی بھی فکرمندی کی صورت میں نہ نکلا۔ اِس لئے وُہ جھیل میں طوفان آتے وقت آرام سے کشتی میں سو سکتا تھا۔ یہ گویا کہ جو کچھ زبور ۱۲۷ میں کہا گیا ہے اُس کا عملی سبق تھا: "تمہارے لئے سویرے اُٹھنا اور دیر میں آرام کرنا اور مشقّت کی روٹی کھانا عبث ہے کیونکہ وُہ اپنے محبوب کو تو نیند ہی میں دے دیتا ہے۔"

یہاں خداوند اِس خیال پر زور دینا چاہتا ہے کہ ہم اپنی تمام فکریں اپنے آسمانی باپ پر جو ہمارے لئے فکرمند رہتا ہے ڈال دیں۔ اِس کی وضاحت کے لئے خُداوند میدان کے پھولوں اور ہوا کے پرندوں کی مثال پیش کرتا ہے۔ اِن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ ہمیں پیش بینی کے لئے نہیں بلکہ فکرمندی کے بارے میں آگاہ کر رہا ہے۔ ایک پودے کو لیجئے۔ وُہ غیر شعوری طور پر ہمیشہ مستقبل کی طرف دیکھتا ہے۔ اُس کی تمام سرگرمیاں بیج کی تیاری کے لئے ہوتی ہیں جس کے ذریعہ اُس کی قسم یا نوع محفوظ رہتی ہے۔ یہی حال پرندوں کا بھی ہے۔ گھونسلا بنانے سے وُہ اپنی نسل کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ اگرچہ پرندے اور پودے جو کچھ کرتے ہیں وُہ مستقبل کے پیشِ نظر کرتے ہیں تو بھی وُہ اِس میں غیر شعوری طور پر خُدا پر بھروسا رکھتے ہیں۔ جو کچھ وُہ غیر شعوری طور پر کرتے ہیں وُہ ہمیں شعوری طور پر کرنا چاہیئے۔

پس یہاں جو سبق ملتا ہے وُہ خاص طور پر ہمارے زمانہ کے لئے بڑا ضروری ہے۔ ہماری نسل کی سب سے بڑی بیماری مضطربانہ فکرمندی ہے۔ کتنے ہی لوگ معمول سے کہیں زیادہ اپنی صحت بگاڑ لیتے ہیں، کیونکہ وُہ ہر وقت فکرمند رہتے ہیں کہ کہیں اُن میں کسی بیماری کے نشانات تو نہیں پائے جاتے!

اپنی صحت کے بارے میں فکرمندی ہی وُہ بڑی وجہ ہے جو ہمیں اپنے فرائض کی بجاآوری کے ناقابل بنا دیتی ہے۔ ہمیں مناسب حد تک محتاط رہتے ہوئے خُدا کے اطمینان کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیئے۔

پھر کتنے ہی اچھّے منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں کیونکہ لوگ اپنی کامیابی کے بارے میں بڑے فکرمند رہتے ہیں۔ فکر و تردُّد کی وجہ سے وُہ ثابت قدمی اور استقلال جو کسی منصوبے کی کامیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے جاتا رہتا ہے۔

اب ذرا تعطیلات پر غور کریں۔ یہ ایک وسیع غلطی ہے کہ اکثر لوگ اپنی تعطیل کو فکرمندی میں بدل دیتے ہیں۔ تفریح کے تعاقب میں وُہ آرام کی جگہ اضطراب میں مُبتلا ہو جاتے ہیں۔ وُہ یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ تھکے ماندے کو صرف خُدا کی ابدی ہستی میں ہی آرام ملتا ہے۔ اگر لوگ اتوار اور دیگر تعطیلات کو پہلے خُدا سے رجُوع کرنے اور اُس میں آرام پانے کے لئے استعمال کریں تو انہیں کہیں زیادہ، یہاں تک کہ جسمانی آرام بھی ملے گا۔ اِس کا اطلاق نہ صرف عام مسیحیوں بلکہ خادمُ الدّین پر بھی ہوتا ہے۔ "خاموش ہو جاؤ اور جان لو کہ میں خُدا ہُوں" (زبور ۴۶: ۱۰)۔ یہ ہے وُہ بات جو ہمیں سیکھنی ہے۔ خاموشی سے خُدا میں آرام کرو، اپنے روزمرّہ کے فرائض انجام دو اور ہر روز کی بُرائیوں کو برداشت کرو خواہ یہ راستہ صلیب میں سے ہو کر کیوں نہ جاتا ہو۔ تب ہم بھی اپنے خُداوند کی طرح جلال حاصل کریں گے جو خُدا نے ہمارے لئے پہلے ہی سے مقرر کیا ہُوا ہے۔

یہ جُملہ بھی مُلاحظہ کریں: "آج کے لئے آج ہی کا دُکھ کافی ہے۔ خداوند ہم سے یہ وعدہ نہیں کر رہا کہ اگر ہم اُس پر ایمان رکھیں تو ہم پر مُصیبت نہیں آئے گی۔ یہاں وُہ ہمیں محض یہ بتا رہا ہے کہ تُمہیں ہر روز کے مُطابق قوّت ملے گی۔ ہم خدا کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہم بھی اپنے خُدا کی پدریت پر تکیہ کریں اور آج کے لئے اپنی

بہترین قوّت کے مُطابق اپنی عقل کو استعمال کرتے ہُوئے اپنی پُوری اِستطاعت خرچ کرتے ہُوئے اُس کے پیار میں آرام کریں۔

نواں ۹ باب

مسیحی خصُوصیات

ساتواں باب، پہاڑی وعظ کا آخری باب ہے جس میں متعدد مُعاون موضُوعات پائے جاتے ہیں۔ گزشتہ ابواب میں خدُا کی بادشاہی کے شہریوں کے کردار کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اِس کردار کے پُرانی شریعت کے ساتھ تعلق اور اِس کے بُنیادی محرّک یا اصُول کو بیان کیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں بعض خصُوصیات بیان کی گئی ہیں جو بادشاہی کے شہری کے خدُا اور انسان کے ساتھ تعلق سے اُبھرتی ہیں۔ اِن میں سب سے پہلی خصوصیت غیر تنقیدی مزاج ہے۔

"عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے" (متّی ۷ : ۱) ۔

غیر تنقیدی مزاج

ہمیں لُوقا باب ٦ میں بھی یہ نصیحت ملتی ہے۔ اِس آیت سے پہلے خدُا کا کردار بیان کیا گیا ہے: "وُہ ناشُکروں اور بدوں پر بھی مہربان ہے۔ جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تُم بھی رحم دل ہو۔ عیب جوئی نہ کرو" (٦ : ٣٥ - ٣٧) ۔ خدُا دُوسروں پر تنقید نہیں کرتا بلکہ وُہ اُن کی بہتری کا خواہاں رہتا ہے۔ وُہ ہر ایک کو اُس کی ضرُورت کے مطابق نعمت دیتا ہے۔ شاگردوں کے مزاج میں یہ بات شامل ہونی چاہیئے۔

"عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے۔ کیونکہ جس طرح تُم عیب جوئی کرتے ہو اُسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانہ سے تُم ناپتے ہو اُسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔ تُو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے

شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تُو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دُوں؟ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھّی طرح دیکھ کر نکال سکے گا" (متّی ۷: ۱-۵)۔

اُس وقت خُداوند کے ذہن میں فریسیوں کی خصوصیّت اور کردار تھا۔ فریسی بڑے کٹّر مذہبی لوگ تھے۔ مذہب میں ترقی کو وُہ دُوسروں پر تنقید کرنے سے ناپتے تھے۔ اُن کے خیال میں "یہ عام لوگ جو شریعت سے واقِف نہیں لعنتی ہیں" (یوحنّا ۷: ۴۹)۔ فریسیوں کا ایک خاص نشان مذہبی تعلیم تھا۔ چونکہ وُہ مذہب اور شریعت کی تعلیم میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اِس لئے وُہ دُوسروں پر تنقید کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ اُن کی اپنی ترقی کی کسوٹی یہ تھی کہ وُہ دُوسروں کو حقیر سمجھیں۔ اِس کا نتیجہ یہ نِکلا کہ وُہ اپنے باطنی کِردار کے بارے میں بے پروا اور مُطمئن بِالذّات تھے۔ اُنہوں نے ظاہری طور پر دُرست معیار حاصِل کر لیا تھا۔ وُہ شریعت پر دُرست طریقے سے چل رہے تھے۔ جب تک وُہ یہ کرتے رہتے اُنہیں اپنے آپ کو تنقیدی نظر سے پرکھنے اور اپنی حالت پر غور کرنے کی ضرُورت نہیں تھی۔ نتیجۃً اگرچہ فریسی تنقید کرتے تاہم ریاکار بھی ہوتے تھے۔ تنقید وُہ دُوسروں پر کرتے جبکہ اپنے بارے میں فریب کاری سے کام لیتے۔

پس خُداوند اپنے شاگِردوں کو نئے قِسم کے فریسی نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اُس کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ اُس کے شاگرد اپنے خُداوند کا سخت معیار اپناتے وقت فریسیوں کی مانند مغرور اور اخلاقی طور پر کھوکھلے بن جائیں۔ چنانچہ وُہ نکتہ چینی اور ریاکاری کے بارے میں جو آپس میں آسانی سے گڈمڈ ہو جاتی ہیں اُنہیں تنبیہ کرتا ہے۔ اِس کے برعکس وُہ حلیمی کا درس دیتا ہے جو دُوسروں میں خوُبیاں دیکھتے

ہُوئے خُود سے سختی کرتی ہے۔ تمہارے پاس اپنی ناکامیوں کو جاننے کا موقع ہے اِس لئے تُم اپنے پر سختی سے نظر کرو۔ "اپنی آنکھ کے شہتیر کو دیکھو۔ اگر تُم یہ کرو تو یہ تُمہیں اپنا بڑھ چڑھ کر اندازہ لگانے سے روک دے گا اور تُمہیں فروتن بنائے گا۔ یہ تُمہارے دِلوں سے دُوسروں پر تنقید کرنے اور اُنہیں ردّ کرنے کی عادت کو بھی نِکال دے گا۔

دُوسروں میں اچھّائی اور خوُبیاں دیکھو۔ دراصل دُوسروں کی "عیب جوئی نہ کرنے" کا یہی مطلب ہے۔ ہمیں دُوسروں پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی بات آپ کو نئی یا عجیب لگے اور آپ کے خیالات سے مُطابقت نہ رکھے تو آپ اُسے فوراً ہی ردّ نہ کر دیں بلکہ سب سے پہلے ہمدردی کے ساتھ اُس کی قدر کرنے کی کوشِش کریں۔ ہر بات اور ہر شخص میں اچھائی دیکھیں۔ اگر آپ کو کسی شخص میں اچھّی باتیں دیکھنے کے باوجُود بالآخر اُس کے خِلاف فیصلہ دینا پڑے تو آپ عیب جُو ہونے کے اِلزام سے بچ جائیں گے۔ اِس کے عِلاوہ دُوسرے لوگ آپ کے فیصلے کو زیادہ اہمیّت دیں گے۔ ایسے شخص کے فیصلے کا جو ہمیشہ ہی دُوسروں میں عیب تلاش کرتا رہتا ہے کوئی اخلاقی وزن نہیں ہوتا۔

مَیں نے کہا "اگر آپ کو ... فیصلہ دینا پڑے"۔ اِس کا مطلب ہے کہ کبھی کبھی فیصلہ دینا اور تنقید کرنا ہمارا مسیحی فرض بھی ہے۔ ہمارے زمانے میں رواداری کا عالمگیر رُجحان پایا جاتا ہے جو ہر قِسم کی بات کو روا قرار دیتا ہے کیونکہ دُرست یا غلط کے بارے میں کوئی معیار باقی نہیں رہا۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ خُداوند کا یہ مطلب نہیں تھا جب اُس نے عیب جوئی سے منع کیا۔ اگر یہ ہوتا تو یہ اُس کے اپنے کردار کے خِلاف ہوتا۔ جب کبھی موقع تقاضا کرتا تو وُہ بڑی باریک بینی سے رائے زنی اور تنقید کرتا تھا۔ اِس کے علاوہ خُداوند کا یہ اِرادہ ہے کہ اُس کی کلیسیا اور

کلیسیا کے ممبروں کا نیکی اور صداقت کا معیار ایسا ہو جو اُنہیں ضرورت کے وقت خُود اپنے ہی بھائیوں کے خِلاف فیصلہ دینے کے لئے آمادہ کرے ۔ متّی کی انجیل میں ایک حوالہ ملتا ہے جو اِس موضُوع کے متعلق بڑا صاف ہے ۔ "اگر تیرا بھائی تیرا گناہ کرے"۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اِس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ؟ نہیں ۔ جب ہمارا مقصد محض نکتہ چینی کرنا نہ ہو بلکہ دُرست اور غلط میں اِمتیاز کرنا ہو تو پھر ہمارا فرض بن جاتا ہے کہ اپنے بھائی کو پرکھیں اور کافی غور و فکر اور برداشت کے بعد اُس کے خلاف فیصلہ دیں ۔

"اگر تیرا بھائی تیرا گُناہ کرے تو جا اور خلوت میں بات چیت کر کے اُسے سمجھا ۔ اگر وُہ تیری سُنے تو تُو نے اپنے بھائی کو پا لیا ۔ اور اگر نہ سُنے تو ایک دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جا تاکہ ہر ایک بات دو یا تین گواہوں کی زُبان سے ثابت ہو جائے ۔ اگر وُہ اُن کی بھی سُننے سے اِنکار کرے تو کلیسیا سے کہہ اور اگر کلیسیا کی بھی سُننے سے اِنکار کرے تو تُو اُسے غیر قوم والے اور محصُول لینے والے کے برابر جان ۔ مَیں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ جو کُچھ تُم زمین پر باندھو گے وُہ آسمان پر بندھے گا اور جو کُچھ تُم زمین پر کھولو گے وُہ آسمان پر کُھلے گا" (متّی ۱۸ : ۱۵ – ۱۸) ۔

خُداوند یہاں کلیسیا پر یہ ذمّہ داری عائد کرتا ہے کہ وُہ کھولے اور باندھے یعنی یہ فیصلہ سُنائے کہ دُرست کیا ہے اور غلط کیا ہے، اور کہ کِس بات کی اجازت دینی چاہیئے اور کِس بات کی نہیں ۔ پھر جی اُٹھنے کے بعد یسُوع مسیح اپنے رسُولوں کو اِختیار دیتا اور فرض تفویض کرتا ہے کہ اِن فیصلوں کا اِطلاق لوگوں پر کریں یعنی وُہ اِن معنوں میں گُناہ مُعاف کریں اور قائم رکھیں (دیکھئے یُوحنّا ۲۰ : ۲۳) ۔ یُوں کلیسیا اور اُس کے ممبروں کا یہ فرض نہیں ہے کہ وُہ حرف گیری یا نکتہ چینی کریں بلکہ یہ کہ اخلاقی معیار کو قائم رکھیں ۔ چنانچہ پولُس

رسُول بھی کرنتھیوں کی کلیسیا کو اپنے ممبروں کی عدالت کرنے کو کہتا بلکہ اُن کی شدید مذمّت کرتا ہے کہ وُہ ایک سنگین جُرم کے مُرتکِب کی عدالت کرنے کے بجائے اُس کے گناہوں کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رہے ہیں (۱ ۔ کرنتھیوں باب ۵) ۔

نیا عہد نامہ مسیحیوں کو متواتر آگاہ کرتا رہتا ہے کہ اُن کا عدالت کرنے کا ایک معیار ہونا چاہیئے ۔ وُہ سب باتوں کو آزمائیں اور جو اچھّی ہو اُسے تھامے رہیں (۱ ۔ تھسلنیکیوں ۵ : ۲۱) ۔ وُہ رُوحوں کو آزمائیں کہ خُدا کی طرف سے ہیں یا نہیں (۱ ۔ یوحنّا ۴ : ۱) ۔ اور اگر کوئی اُستاد کوئی مسیحی زِندگی کے اُصول بِگاڑنے والی تعلیم لے کر آئے تو پولُس رسُول اور یُوحنّا رسُول دونوں سختی سے اُس کے خِلاف فیصلہ دینے کو کہتے ہیں :

"جیسا ہم پیشتر کہہ چُکے ہیں ویسا ہی اَب مَیں پھر کہتا ہُوں کہ اُس خوشخبری کے سِوا جو تُم نے قبول کی تھی اگر کوئی تمہیں اَور خوشخبری سُناتا ہے تو ملعُون ہو" (گلتیوں ۱ : ۹) ۔

"اگر کوئی تُمہارے پاس آئے اور یہ تعلیم نہ دے تو نہ اُسے گھر میں آنے دو اور نہ سلام کرو ۔ کیونکہ جو کوئی ایسے شخص کو سلام کرتا ہے وُہ اُس کے بُرے کاموں میں شریک ہوتا ہے" (۲ ۔ یوحنّا آیات ۱۰ – ۱۱) ۔

یہ اَحکام اُن واقعات کے پیشِ نظر دِئے گئے ہیں جہاں بنیادی باتوں کے بارے میں اصُول خطرے میں ہوں ۔ لیکن جہاں تک معمُولی باتوں کا تعلق ہے وہاں اِس کا جواب نرم ہے (دیکھئے رومیوں ۸ : ۱۴) ۔

پس ایک طرف تو تنقید کرنا اور فیصلہ دینا ہمارا فرض ہے جبکہ دُوسری طرف خُداوند عیب جوئی کرنے اور تنقیدی مزاج رکھنے کو ردّ کرتا ہے ۔ راست اور صاف گو ضمیر کو عدالت کرنے کے فرض اور نکتہ چینی اور عیب جوئی کے گُناہ میں

امتیاز کرنے میں بہت کم مشکل پیش آتی ہے ۔جن لوگوں کا درست اور صحیح کے بارے میں معیار پست ہوتا ہے وہ دوسروں پر اکثر نکتہ چینی کیا کرتے ہیں ۔

پس ہمیں دوسروں کی بھلائی کے لئے خواہش مند رہنا چاہئے۔ خداوند یہاں پھر اُس اصول کا اعادہ کرتا ہے جو ہم نے اکثر اُس کے منہ سے سنا ہے کہ خدا ہم سے ویسا ہی سلوک کرتا ہے جیسا ہم اپنے ہم جنس انسانوں سے کرتے ہیں ۔

"عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے ۔کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اُسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اُسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا"۔

بلاشبہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ہمارے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ لوقا کی انجیل میں متوازی حوالے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ردِ عمل صرف خدا تک ہی محدود نہیں ہے ۔جس قسم کا سلوک ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں اُسی قسم کا سلوک وہ بھی ہمارے ساتھ کریں گے ۔

"عیب جوئی نہ کرو۔ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی۔ مجرم نہ ٹھہراؤ۔ تم بھی مجرم نہ ٹھہرائے جاؤ گے۔ خلاصی دو تم بھی خلاصی پاؤ گے ۔ دیا کرو۔ تمہیں بھی دیا جائے گا۔ اچھا پیمانہ داب داب کر اور ہلا ہلا کر اور لبریز کرکے تمہارے پلے میں ڈالیں گے کیونکہ جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اُسی سے تمہارے لئے ناپا جائے گا"

(لوقا ۶: ۳۷ - ۳۸) ۔

ہر طرف سے آپ وہی کچھ وصول کریں گے جو آپ دوسروں کو دیتے ہیں ۔ اگر آپ لوگوں کے ساتھ عیب جوئی اور تنقیدی مزاج کے ساتھ پیش آئیں تو لوگ بھی آپ کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے ۔ اگر آپ دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں

تو وہ بھی آپ کے ساتھ بھلائی کریں گے ۔

رُوحانی سچائیوں کو پیش کرتے وقت محتاط رہنا

مسیحی مزاج کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے روحانی سچائیوں کو پیش کرتے وقت محتاط رہتا ہے ۔

"پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو پاؤں کے تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑیں"

(متی ۷: ۶) ۔

متعدد اعلیٰ سچائیاں ایسی ہیں جن کی لوگ قدر نہیں کرسکتے ۔ اگر آپ ان کو ان پر ٹھونسنے کی کوشش کریں تو وہ خفا ہوجاتے ہیں کہ آپ انہیں وہ شے دے رہے ہیں جو ان کی نظر میں بے وقعت ہے ۔اس لئے وہ آپ کی مخالفت کرنے لگتے ہیں ۔

سوال یہ ہے کہ جب خداوند نے ہمیں عیب جوئی نہ کرنے والا مزاج رکھنے کی تاکید کی تو کیا اُس نے امتیاز نہ کرنے والا مزاج رکھنے کی بھی تاکید کی؟ یقیناً نہیں ۔ جو کچھ مسیحیوں کو بخشا گیا ہے اُس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ۔جس طرح خداوند نے بتایا کہ خدا کی بادشاہی بیش قیمت موتی کی مانند ہے جو ایک شخص کو ملا۔ اُس نے خوشی کے مارے اپنا سب کچھ بیچ کر اُسے خرید لیا ۔صرف مسیحی لوگ ہی مسیحی ہونے کی قدر کرسکتے ہیں ۔کیونکہ وہ خدا کی رفاقت سے فیضیاب ہوتے ہیں، ان کے ذہن اُس کی سچائی سے روشن ہیں اور انہیں پاک روح کے ذریعہ قوت دی گئی ہے ۔ خدا کے نور کے ذریعے وہ اپنے خداوند کی طرح دنیا کو امتیاز کی فطرت سے پرکھ سکتے ہیں ۔

خُداوند نے لوگوں کو وُہی شے دی جس کے وُہ اہل تھے - جب لوگ اُس کی قوّت پر ایمان رکھتے تھے تو اُس نے اُس قوت کے ذریعہ اُن کو شفا دی - وُہ اُن پر رحم کھاتا تھا - اُس نے اُن کو وُہ چیز دی جن کی وُہ قدر کر سکتے تھے یعنی نیکی اور مہربانی - لیکن کیا اُس نے تمام لوگوں کو بلا امتیاز اعلیٰ ترین سچّائی سکھائی ؟ ہرگز نہیں - اُس نے پہلے اُنہیں چھانا پھٹکا اور الگ الگ کیا، یہاں تک کہ اُسے ایسے لوگ مل گئے جو اُس سچائی کو سننے کے لئے کان رکھتے تھے - ایسے لوگوں کو اُس نے وُہ سچائی بتائی - اُس نے اپنے موتی سُوّروں کے آگے نہیں ڈالے - مبادا وُہ پلٹ کر اُسے پھاڑیں -

پس ہمیں لوگوں کے سامنے وُہی چیز پیش کرنی چاہیئے جس کی وُہ قدر کر سکتے ہیں - خُدا نے ہمیں اپنی رفاقت میں کسی خوُبی یا قابلیت کی بنا پر داخلہ نہیں دیا - اُس نے ہمیں ہر چھوٹی اور بڑی چیز دی ہے - اِس لئے ہمیں بھی خوُدغرض اور کنجوُس نہیں بننا چاہیئے - ہمیں اِن چیزوں کو دُوسروں کو دینے کا خواہش مند رہنا چاہیئے، لیکن بلا امتیاز نہیں - مہربانی، قربانی بالذات، اُن کے مفاد کے لئے فکرمندی - یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کی تمام لوگ قدر کرتے ہیں اور یہ ہمیں سب کو دینی چاہیئیں - لیکن ہمیں مذہب کی اعلیٰ ترین سچائیوں کا اعلان گلی گلی نہیں کرتے پھرنا چاہیئے - ہم اِنتظار کریں اور لوگوں کو اُس وقت مذہب پیش کریں جب وُہ گہری باتوں کی خواہش کریں - مذہب کی سچائیوں کو پیش کرتے وقت احتیاط کی ضروُرت ہے -

اِبتدائی کلیسیا کا یہی طریقہ تھا - وُہ دُنیا میں جاکر تمام لوگوں کو اپنی زِندگی کی خوُبصورتی، اپنے بھائی چارے کے جلال اور اپنی بھرپُور آزادی کو دکھاتی تھی - اِس سے لوگوں کو معلُوم ہُوا کہ مسیحیوں کا خُدا سے ایک گہرا تعلق ہے - اِس کے باوجُود وُہ اُنہیں اپنی زِندگی کے بھید یعنی اپنے عقیدے، اپنی پاک رسومات، اپنی خاص دُعا نہیں سِکھاتی تھی - یہ وُہ اُس وقت کرتی جبکہ لوگ اِس کے لئے تیار ہو جاتے - کلیسیا

غلط فہمیوں کو دُور کرنے کی کوشش کرتی اور اپنے اِیمان کا دفاع کرتی تھی تاہم وُہ اپنی گہری سچائیوں کو دِلچسپی نہ رکھنے والوں پر نہیں ٹھونستی تھی -

لیکن کلیسیا کا غناسطی مکتبۂ فکر کی مانند خفیہ طریقہ نہیں تھا - غناسطی صِرف ایک مخصوص حلقے کو ہی خُدا کے بھیدوں میں شامل کرتے تھے - یعنی ایسے لوگوں کو جو دانِش وَر تھے - کلیسیا کا یہ طریقہ نہیں تھا - وُہ ہر اُس شخص کو جو ایمان کے ساتھ اُس کے پاس آتا سِکھاتی تھی تاکہ ہر شخص کو مسیح میں کامِل کر کے پیش کرے (کلسیوں ۱:۲۸) - کلیسیا ایمان رکھتی تھی کہ خُدا کے ساتھ اعلیٰ یگانگت رکھنے کے لئے کِسی اور بات کی ضرُورت نہیں ماسوا یہ کہ کوئی اپنے گُناہوں کا احساس کرے اور خُدا پر، مسیح پر اور اُس کے رُوح پر ایمان رکھے - کِسی اَور بات کی ضرُورت نہیں تھی، ماسوا یہ کہ وُہ اپنی ضرُورت محسُوس کرے اور ایمان لائے - اِس لئے یسُوؔع کی پُکار یہ تھی کہ "اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آ کر پیئے -" شرط یہ تھی کہ وُہ پیاسا ہو -

اِبتدائی کلیسیا کا طرِیقہ، اگرچہ اُسے بھی غلط اِستعمال کیا جاسکتا تھا یقیناً درُست اور بہترین تھا - کلیسیا کے افراد بے شک ہر شخص کے ساتھ مہربانی، نیکی اور خوش مزاجی سے پیش آئیں لیکن اُن پر خُدا کے بھیدوں کو نہ ٹھونسیں جب تک کہ وُہ اُن کے نظم وضبط اور تعلیم کے تحت اُنہیں قبول کرنے کا رُجحان ظاہر نہ کریں - یہ ایک ایسا اصُول ہے جس کا اِطلاق مُختلف حالتوں یعنی بے دین دُنیا میں، برائے نام مسیحیوں میں منادی کرتے وقت اور باہمی گفتگو میں مُختلِف طریقے سے کرنا چاہیئے لیکن کِسی حد تک اِس کا اِطلاق ہر جگہ کیا جا سکتا ہے - ہم اِس بات کا خیال رکھیں کہ کلیسیا رُوحانی سچائیوں کو ایسے لوگوں کے سامنے پیش کرے جن میں کِسی حد تک رُوحانی بھوک اور پیاس پائی جاتی ہے -

غیر جانبدارانہ قدردانی

مسیحی کو امتیاز کرنے والا تو ہونا چاہیئے لیکن تنگ نظر نہیں۔ اِس کے برعکس یہ مانتے ہوئے کہ خدا انسانی دعاؤں کا جواب دینے کو ہر وقت تیار رہتا ہے اُسے بھی تمام انسانوں کے ساتھ غیر جانبدارانہ بھلائی کرنی چاہیئے۔ یہ مسیحیوں کی تین[۳] خصوصیات میں سے آخری خصوصیت ہے جس کی خداوند تاکید کرتا ہے۔ ایسی غیر جانبدارانہ فیض رسانی یا نیکی کرنے کی فطرت کا محرک خدا کا عرفان اور تجربہ ہے۔

"مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اُس کے واسطے کھولا جائے گا۔ تم میں ایسا کون سا آدمی ہے کہ اگر اُس کا بیٹا اُس سے روٹی مانگے تو وہ اُسے پتھر دے؟ یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے؟ پس جبکہ تم بُرے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا؟ پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے" (متی ۷: ۷-۱۲)۔

لوقا کی انجیل میں خداوند اِس پر کہ "کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا" تبصرہ کرتا ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کی تمثیل پیش کرتا ہے جو رات کو دیر سے اپنے پڑوسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا اور روٹی مانگتا ہے کیونکہ اُس کا ایک دوست غیر متوقع طور پر آ گیا ہے۔ مالکِ مکان بالآخر درخواست کنندہ کے اصرار پر مجبوراً اُٹھا اور اپنے پڑوسی کو جو وہ مانگتا تھا دے دیا۔

پس خداوند اپنے تمثیلی طریقے سے اِصرار کرنے کے عام اصول ــــ مانگنا، تلاش کرنا، کھٹکھٹانا ــــ کو پیش کرتا ہے جو بالآخر تمام رکاوٹوں پر غالب آ کر وہ چیز حاصل کر لیتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ نیز، خداوند سب سے پہلے اِس بنیادی اصول کو پیش کر کے لوگوں کی توجہ بیدار کرتا ہے۔ پھر بعد میں وہ مختلف موقعوں پر اُن کے لئے جن کے سُننے کے کان ہیں اِس اصول کی تشریح کرتا ہے۔

اِس قسم کی تشریحات حسبِ ذیل ہیں: "جو کچھ تم دعا میں مانگتے ہو یقین کرو کہ تم کو مل گیا اور وہ تمہارے لئے ہو جائے گا" (مرقس ۱۱: ۲۴)۔ "اگر تم مجھ میں قائم رہو اور میری باتیں تم میں قائم رہیں تو جو چاہو مانگو۔ وہ تمہارے لئے ہو جائے گا" (یوحنا ۱۵: ۷)۔ "اب تک تم نے میرے نام سے کچھ نہیں مانگا۔ مانگو تو پاؤ گے تاکہ تمہاری خوشی پوری ہو جائے" (یوحنا ۱۶: ۲۴)۔ یہ تینوں بیانات ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مسیح کے نام میں مانگنا، مسیح کی مرضی کے مطابق مانگنا ہے۔ ہم باپ کے دانش مند بیٹے ہوتے ہوئے صرف اُس درخواست پر یقین کر سکتے ہیں کہ مل گئی ہے جو اُس کی مرضی کے مطابق ہے۔ یوں پہلا بیان دوسرے بیانوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے اُسی دعا کو موثر قرار دیتا ہے جو خدا کی ظاہر شدہ مرضی اور کردار کے مطابق ہوتی ہے۔

متی کے اِس حوالے میں بھی یہ مطلب نظر آتا ہے: "ایسا کونسا آدمی ہے کہ اگر اُس کا بیٹا اُس سے روٹی مانگے تو وہ اُسے پتھر دے؟ یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے؟" اگر اِس طریقے سے دنیاوی باپوں پر اِعتماد کیا جا سکتا ہے تو ہمارے آسمانی باپ پر بھی اچھی چیزیں مہیا کرنے کے لئے اِس سے کہیں زیادہ اِعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اِس بیان میں ایک اُلٹ بات بھی پائی جاتی ہے۔ اگر بیٹا کوئی نقصان دہ شے مانگے تو عقل مند باپ کیا کرے گا؟ وہ اُسے اُس کی درخواست کے

مُطابق نہیں بلکہ اپنی حکمت اور مرضی کے مطابق دے گا ۔ یہی حال خُدا کا ہے ۔ وُہ ہماری دُعاؤں کو ضرور سُنے گا اور جواب دے گا لیکن اُس کا جواب اُس کے اپنے دانشمندانہ مقصد کے مُطابق ہی ہوگا ۔

اِس بات کی تشریح جو لُوقا کی انجیل میں ملتی ہے نہایت معنی خیز ہے: "تو آسمانی باپ اپنے مانگنے والوں کو رُوح القدس کیوں نہ دے گا؟" (۱۱: ۱۳) ۔ یعنی اِس آیت میں "اچھی چیزوں" کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ رُوح القدس کا ۔

پہاڑی وعظ دو[۲] عظیم مسیحی تعلیمات کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی مسیح کا ذاتِ خُدا ہونا اور انسان کا گناہ گار ہونا ۔ مسیح کا خُدا ہونا اِس بات میں ظاہر ہے کہ وُہ پُورے اختیار سے کلام کرتا ہے ۔ اِس کے علاوہ یہاں ایک بات اُس وقت تک سمجھی نہیں جا سکتی جب تک مانا نہ جائے کہ تمام اِنسان یہاں تک کہ بہترین اِنسان بھی گنہگار ہیں ۔ اچھے والدین سے مخاطب ہوتے وقت خُداوند کہتا ہے "جب تم بُرے ہو کر" ۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری فطرت میں بگاڑ پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کو نئی پیدائش اور بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ ہم وُہ کُچھ بن جائیں جو ہمارا خُداوند ہمیں بنانا چاہتا ہے ۔

آخر میں خُداوند ہمارے ہم جنسوں کے لئے ہمارے فرائض الٰہی بھلائی کی بنیاد پر رکھتا ہے:

"پس جو کُچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے" (متی ۷: ۱۲) ۔

ہمارا اپنے ہم جنس اِنسانوں کے ساتھ سلوک اُسی بھلائی کو منعکس کرے جیسے ہم نے اپنے خُدا کے ساتھ تعلق میں سیکھا اور تجربہ کیا ہے ۔

اِس آیت میں تین[۳] نکات قابلِ غور ہیں:

۱ ۔ یہ خیال یہودیوں اور یُونانیوں میں منفی شکل میں پہلے ہی جتلا دیا گیا تھا: "جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ نہ کیا جائے وُہ تم دُوسروں کے ساتھ بھی نہ کرو"[۱] ۔ مگر خُداوند کو دُوسرے اُستادوں پر فضیلت اُس کی تعلیمات کے مثبت کردار کی وجہ سے حاصل ہے ۔ لوگوں کا محض بُرائی کرنے سے باز رہنا کافی نہیں ۔ اُنہیں دُوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے میں مصرُوف و کوشاں رہنا چاہیئے ۔

۲ ۔ یہاں ہمارے پاس مسیحی سماجی فرض کا مغز اور مرکز ہے ۔ ہمیں ہر شخص کی قدر کرنی چاہیئے ۔ ہم کبھی بھی اپنے ہم جنسوں کو حقیر جان کر اُنہیں صرف اپنے مقاصد کے لئے استعمال نہ کریں خواہ یہ مقصد کتنا ہی بھلا کیوں نہ ہو ۔ چاہے اِس مقصد میں ہمارا کوئی کام یا ہماری کوئی سہولت یا ہماری کوئی تفریح شامل ہو ۔ ہمیں دُوسروں سے اپنی مانند محبّت رکھنی چاہیئے ۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ خُدا ہر شخص کی قدر کرتا ہے ۔ دُوسرے، خُدا کی نظر میں ہر شخص کی اپنی اہمیّت ہے اور اُس کے سامنے ہر شخص کی اہمیّت یکساں ہے ۔ وُہ کسی کو بھی حد سے زیادہ اہمیّت نہیں دیتا ۔ یہ تمام مسیحی سماجی کردار کا اُصُول ہے ۔ یہ مسیحی عدل و اِنصاف کا اُصُول ہے کہ سب کو مُساوی سمجھا جائے ۔

ہمیں اپنی خواہشات کو اِس حد تک محدُود کر لینا چاہیئے کہ جو کُچھ ہم اپنے لئے چاہتے ہیں اُس کی دُوسروں کے لئے بھی امید رکھیں ۔ ہمیں دُوسرے طبقات اور دُوسرے افراد کے لئے اُتنا ہی دلجمعی اور سرگرمی سے مصرُوفِ کار رہنا چاہیئے

---

۱ ۔ یہ ربّی ہلیل کا قول ہے: "جس بات سے تُجھے نفرت ہے وُہ تُو اپنے پڑوسی سے بھی نہ کر ۔ یہی کُل شریعت ہے اور باقی تشریح ہے" ۔ افلاطون اور ستوئیکیوں کے فلسفے میں بھی یہی مُروّج تھا ۔

جتنا کہ ہم اپنے یا اپنے خاندان کے لئے رہتے ہیں ۔ جس خدمت کی ہم دُوسروں سے توقع رکھتے ہیں ہمیں وہی حقیقی معنوں میں بلا اِستثنا دُوسروں کی بھی کرنی چاہیئے۔

۳۔ خُداوند کہتا ہے کہ "توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے" یعنی یہ وُہ اُصُول ہے جو عہدِ عتیق کی رُوح کا اِختتام ہے ۔ بے شک عہدِ عتیق میں بہُت سی باتیں محدُود اور نچلی سطح پر ہیں ۔ عہدِ عتیق شروع سے آخر تک ایک ترقی پذیر سلسلے کو پیش کرتا ہے۔ پہاڑی وعظ وُہ نقطہ ہے جس کی طرف وُہ مائل اور جُھکا ہُوا ہے ۔ وُہ اِسی میں اِختتام کو پہنچتا ہے ۔ پولُس رسُول فرماتا ہے :"اِن کے سوا اَور جو کوئی حُکم ہو اُن سب کا خلاصہ اِس بات میں پایا جاتا ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ" (رومیوں ۱۳ : ۸) ۔

دسواں باب

آخری تنبیہ

مسیح خُداوند پہاڑی وعظ کا اختتام تین[۳] بڑی نمایاں تنبیہوں سے کرتا ہے۔ ہم انہیں یوُں بیان کر سکتے ہیں :

پہلی، زِندگی کے دو[۲] راستے ہیں ۔ ایک اپنے آپ کو خُوش کرنے کا آسان راستہ اور دُوسرا خُود اِنکاری کا مشکل راستہ۔ اکثر لوگ پہلا راستہ اِختیار کرتے ہیں ۔ دُوسرا راستہ اختیار کرنے والے بہُت کم ہیں ۔ لیکن یہ ایک دُوسرے سے بہُت دُور لے جاتے ہیں ۔ پہلا راستہ موت کی طرف اور دُوسرا زِندگی کی طرف جاتا ہے۔

دُوسری، اِس دُنیا میں بہُت سے اُستاد ہیں جن کے الفاظ بڑے خُوشنما ہوتے ہیں ۔ لیکن اُن کی عدالت نہ تو اُن کے الفاظ اور نہ ان کی ظاہری کامیابی کے پیشِ نظر ہوگی ۔ ابنِ آدم اُن کے کردار کے مُطابق اُن کی عدالت کرے گا ۔

تیسری ، بہُت سی رُوحانی عمارتیں ہیں جو لوگ تعمیر کر رہے ہیں ۔ بظاہر ایک عمارت دُوسری عمارت جیسی ہی اچھی نظر آتی ہے۔ لیکن جب آزمائش آئے گی تب ہی معلوُم ہوگا کہ کون قائم رہتی ہے ۔ اگر کوئی رُوحانی عمارت ابنِ آدم کی تعلیمات کے بجائے کسی اَور تعلیم پر اُٹھائی گئی ہو تو وُہ آزمائشوں اور دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے گی ۔

آئیے ہم اِن تینوں تنبیہوں پر باری باری غور کریں۔

دو[۲] راستے

"تنگ دروازہ سے داخل ہو کیونکہ وُہ دروازہ چوڑا ہے اور وُہ

راستہ کُشادہ ہے جو ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اُس سے داخل ہونے والے بہت ہیں۔ کیونکہ وُہ دروازہ تنگ ہے اور وُہ راستہ سُکڑا ہے جو زِندگی کو پہنچاتا ہے اور اُس کے پانے والے تھوڑے ہیں"

(متّی ۷ : ۱۳-۱۴) ۔

یہ دُو راستوں کی تعلیم ہے ۔ پہلا راستہ خُود کو خُوش کرنے کا آسان راستہ ہے، جبکہ دُوسرا راستہ فرض کا مشکِل راستہ ہے ۔ اِسے سمجھنا آسان ہے، اِس لئے اِس کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرُورت نہیں ۔ لیکن جب ہم اپنے خُداوند کے مندرجۂ بالا الفاظ کو پڑھتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں فوراً ایک سُوال اُٹھتا ہے کہ کیا ہم یہ سمجھیں کہ زیادہ تر لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور صِرف تھوڑے سے بچیں گے ؟ کیا "اُس کے پانے والے تھوڑے ہیں" کا یہی مطلب ہے ؟

ہم اِس سُوال کا جواب یوں دے سکتے ہیں : ایک موقع پر شاگردوں نے خُداوند سے پُوچھا کہ "کیا نجات پانے والے تھوڑے ہیں ؟" خُداوند نے جواب دیا "جانفشانی کرو کہ تنگ دروازہ سے داخِل ہو" (لوقا ۱۳ : ۲۳ - ۲۹) - ایک اور موقع پر پطرس نے یُوحنّا کے بارے میں دریافت کیا "اے خُداوند ! اِس کا کیا حال ہوگا ؟" خُداوند نے جواب دیا "تُو میرے پیچھے ہولے" (یُوحنّا ۲۱ : ۲۱ - ۲۲) ۔ بلا شُبہ خُداوند یہ کبھی نہیں چاہتا کہ ہم اِنسان کی آخرت کے بارے میں جو ہم اپنے تجسس کے باعث جاننا چاہتے ہیں جانیں ۔ اِس کے برعکس وُہ ہماری توجّہ تین ۳ عظیم اُصُولوں کی طرف مبذُول کراتا ہے :

۱ ہمارے آسمانی باپ خُدا کا کردار اور اُس کی غیر جانبدارانہ منضبط محبّت ۔

۲ اُس کی بادشاہی کی تمام مدِّمقابِل ظاہرا اور پوشیدہ قوتوں پر آخری اور عالمگیر فتح ۔

۳ ہماری موجُودہ زِندگی کا وُہ نازک کردار جس میں آدمی نیکی یا بدی کی اہلیّت

رکھتا ہے، مع اُن نیک و بد لامحدُود نتائج کے جو ہر شخص کے دِل سے صادر ہو کر اِس میں ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ذمّہ داریوں سے کِس طرح نپٹتا ہے ۔

اِن الفاظ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ بہُت سے لوگ کُشادہ راستے سے داخِل ہو رہے ہیں جبکہ نہایت کم لوگ سُکڑا راستہ پا رہے ہیں ۔ یہ انسان کا تجربہ ہے ۔ جو شخص اپنا فرض ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اُسے تنہا کھڑے ہونے کے لئے تیار رہنا ہے یا کم از کم اکثریت کی تحقیر کے لئے تیار ہونا ہے ۔ وُہ دُوسروں کی ذمّہ داریوں کا خیال نہیں کرتا البتہ وُہ یہ جانتا ہے کہ خُدا اپنی بے قیاس محبّت میں ہر ایک کا خیال رکھنے والا ہے اور وُہ اپنی تخلیق کردہ ہر رُوح کی ممکن حد تک بہتری کے لئے کام کرتا ہے ۔

کِردار میں ایک چیز کی ضرُورت

"جھُوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمُہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑئے ہیں ۔ اُن کے پھلوں سے تم اُن کو پہچان لو گے ۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اُونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں ؟ اِسی طرح ہر ایک اچھّا درخت اچھّا پھل لاتا ہے اور بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے ۔ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لا سکتا نہ بُرا درخت اچھّا پھل لا سکتا ہے ۔ جو درخت اچھّا پھل نہیں لاتا وُہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے ۔ پس اُن کے پھلوں سے تم اُن کو پہچان لو گے ۔ جو مجھ سے اے خُداوند اے خُداوند کہتے ہیں اُن میں سے ہر

ایک آسمان کی بادشاہی میں داخِل نہ ہو گا مگر وُہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے ۔ اُس دِن بہتیرے مجُھ سے کہیں گے اے خُداوند اے خُداوند ! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدرُوحوں کو نہیں نِکالا اور تیرے نام سے بہُت سے مُعجزے نہیں دِکھائے ؟ اُس وقت مَیں اُن سے صاف کہہ دُوں گا کہ میری کبھی تُم سے واقفیت نہ تھی ۔ اے بدکارو میرے پاس سے چلے جاؤ" (متّی ۷ : ۱۵ - ۲۳)

خُداوند نے جتنی مذمّت ریاکاری کی کی ہے کِسی اَور بات کی نہیں کی ۔ جب ہم اپنی باتوں پر عمل نہیں کرتے اور جب ہم اخلاق اور مذہب کی ظاہری باتوں کے لئے فِکرمند رہتے ہُوئے اُن کے اصل جَوہر کو نظر انداز کرتے ہیں تو یہ ریاکاری ہے ۔ ہم اَپنے آپ کو پرکھیں ۔ ادب میں، صحافت میں، مذہب میں اور سیاسی زِندگی میں بہُت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے پاس زِندگی کے مسائِل کا حل ہے ۔ وُہ بڑے دِلکش اور خوبصُورت الفاظ بولتے ہیں اور اکثر کامیاب نظر آتے ہیں ۔ وُہ کہتے ہیں "کیا ہم نے تیرے نام سے نبوّت نہیں کی اور تیرے نام سے بدرُوحوں کو نہیں نِکالا اور تیرے نام سے بہُت سے مُعجزے نہیں کئے ؟" لیکن تمام خوبصُورت الفاظ اور تمام شاندار کامیابیاں حقیقی مسیحی کردار کا بدل نہیں ہو سکتیں ۔ یہ ہے وُہ بات جِس کی طرف خُداوند اِشارہ کرتا ہے ۔ وُہ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ اگر ہمارا باطنی کردار مسیح جیسا نہیں ہے تو یہ تمام شاندار کامیابیاں بے وُقعت ہیں ۔

یہ ہمارے جَیسے دِنوں کے لئے جبکہ کامیابی اور نتائج حاصل کرنے کے لئے بے تکان محنت اور فکر و تردّد کیا جاتا ہے ایک زبردست تنبیہ ہے ۔ یہ صحافت کے زمانہ کے لئے بھی ایک زبردست تنبیہ ہے جبکہ ہر شخص اپنے آپ کو مشتہر کرنا چاہتا ہے اور ہر شے کے بارے میں اِشتہار بازی کی جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ

وُہ لوگ بھی جو مسیح کی خِدمت کر رہے ہیں کامیاب نتائج حاصل کرنے کی بے حد کوشش کرتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ اُن کی کامیابیوں کا ذِکر مذہبی مجلّوں اور کلیسیائی خبرناموں میں کیا جائے، یہاں تک کہ اخبارات میں بھی خبر لگائی جائے ۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح صِرف اُنہی نتائج کو قابلِ قبول شمار کرے گا جو باطنی مسیحی کردار سے پَیدا ہوتے ہیں ۔ مسیح خُداوند اُن نتائج کو کبھی قبول نہیں کر سکتا جِن میں اُس کے اپنے کردار کی جھلک نہیں مِلتی ۔

دو نکات اَور ہیں جو بے حد اہمیّت رکھتے ہیں ۔ پہلا، خُداوند ہماری حَوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ یہ یقین کرنے کا حُکم دیتا ہے کہ جہاں کہیں مسیح جیسا کردار ہے وہاں پاک رُوح کام کرتا ہے ۔ خُدا اپنے مقررہ راستے سے کہیں آگے بڑھ کر کام کرتا ہے ۔ وفاداری اور فرمانبرداری کا اصُول ہمیں جو اُس کی مرضی کو جانتے ہیں اُس کی پاک رسُومات اور احکامات کا پابند بنا دیتا ہے لیکن وُہ خُود اُن کا پابند نہیں ہے ۔ جہاں کہیں وُہ اچھا میلان دیکھتا ہے کام کر سکتا ہے ۔ جہاں کہیں ہم مسیحی کردار کو بنتے دیکھتے ہیں وہاں وُہ کام کرتا ہے ۔ اچھّا پھل صِرف اچھّے درخت سے ہی پَیدا ہو سکتا ہے ۔

دُوسرا نکتہ وُہ دعویٰ ہے جو خُداوند اپنے لئے کرتا ہے ۔ وُہ کہتا ہے کہ وُہ تمام اِنسانوں کا مُنصِف ہے ۔ وُہ نہ صِرف ظاہرا کاموں کی عدالت کرے گا بلکہ اُن کے دِلوں اور اُن کی زِندگیوں کے کردار کی پوشیدہ باطنی نیّتوں کی بھی ۔ "اُس دِن بہتیرے مجُھ سے کہیں گے" یعنی خداوند کے دِن —— آخری عدالت کے دِن اور اپنی وفاداری کا اِظہار 'اے خُداوند ! اے خُداوند' کہہ کر کریں گے اور اپنے نیک کاموں کی وکالت کریں گے لیکن مَیں اُن کی زِندگیوں کے اصل باطنی کردار کو دیکھوں گا" ۔ خُداوند کے زمانہ میں فلسطین میں اکثر یہودی یہ ایمان

رکھتے تھے کہ "دُنیا کے آخر میں" ابن آدم خُدا کے نائب کے طور پر کام کرے گا۔ اِس سے خُداوند اِس طرف اِشارہ کرتا ہے کہ وُہ المسیح ہے۔ لیکن وُہ اِس سے کہیں زیادہ یہ کہ اُن کا یہ ایمان موعُودہ مسیح ہونے کے دعوے کو زیادہ گہرا اور پُرمطلب بنا دیتا ہے۔ یہاں یسُوعؔ مسیح کا الٰہی ہونے کی فِطرت نمایاں ہوتی ہے۔ رسُول ایک ایسی شخصیّت کے ساتھ رہ رہے تھے جِس کے بارے میں اُنہیں یقین تھا کہ وُہ اُن کے ظاہرا کاموں اور پوشیدہ خیالات کی عدالت اور بالآخر اُن کی عاقبت کا فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ اُس کے لئے اُن کا رویّہ احترام، اِعتماد اور پرستِش کا بن گیا۔ اگر وُہ شخص جِس کے لئے یہ رویّہ اِختیار کیا گیا الٰہی نہ ہوتا تو اُن کا یہ فعل بُت پرستی کے مترادف ہوتا۔ صِرف دوؔ اِمکان تھے:

یا تو یہ تمام انسانوں کا مُنصِف ہونے کا دعویٰ کرنے والا شخص کُفر بکنے والا ہے یا یہ کہ وُہ خدا کا بیٹا ہے۔

پائیداری

آخر میں خداوند تنبیہ کرتا ہے کہ ہر رُوحانی عمارت کا اندازہ اُس کی پائیداری سے لگانا چاہیئے۔

"پس جو کوئی میری یہ باتیں سُنتا اور اُن پر عمل کرتا ہے وُہ اُس عقل مند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جِس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اُس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وُہ نہ گرا کیونکہ اُس کی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی۔ اور جو کوئی میری یہ باتیں سُنتا ہے اور اُن پر عمل نہیں کرتا وُہ اُس بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جِس نے اپنا گھر ریت پر بنایا۔

اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اُس گھر کو صدمہ پہنچایا اور وُہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا" (متیؔ ۷: ۲۴-۲۷)۔

یہاں پھر ایک عظیم دعویٰ ہے کہ زِندگی کی صِرف یسُوعؔ اور اُس کا کلام ہی پُختہ بنیاد ہے۔

خُداوند نے رُوحانی عمارت کے لئے چٹانی بنیاد کی ضرُورت کو اپنی کلیسیا کی بُنیاد میں ظاہر کیا۔ کُچھ لوگ اُس کے پاس آئے اور اُس سے ویسی ہی وفاداری کا اِظہار کرنے لگے جیسی کہ لوگ جوش میں رُوحانی اُستادوں اور مُحسنوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ "بہُت سے لوگ اُن مُعجزوں کو دیکھ کر جو وُہ دکھاتا تھا، اُس کے نام پر ایمان لائے" لیکن ہمارے خداوند نے کوئی رَدِ عمل ظاہر نہ کیا۔ "یسُوعؔ اپنی نسبت اُن پر اِعتبار نہ کرتا تھا" یُوحنّاؔ رسُول کہتا ہے "اِس لئے کہ وُہ سب کو جانتا تھا۔ اور اِس کی حاجت نہ رکھتا تھا کہ کوئی اِنسان کے حق میں گواہی دے کیونکہ وُہ آپ جانتا تھا کہ انسان کے دِل میں کیا کیا ہے" (یُوحنّاؔ ۲: ۲۳-۲۵)۔ پس اُس نے اُن اُمیدوار شاگردوں کو اُن سے بے رُخی کا مظاہرہ کرتے اور سخت الفاظ اور پیچیدہ باتوں سے آزمایا۔ اِس طرح اُس نے اُن کو جو واقعی اُس کی پیروی کرنا چاہتے تھے اُن سے جو صِرف جذبات کی رَو میں بہہ رہے تھے الگ کیا۔ بالآخر اُسے چند شاگرد مِل گئے جو آخری دم تک اُس کی پیروی کرنے کے لئے تیار تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جو چٹان سے کم کِسی شے پر عمارت تعمیر کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وُہ اُس پر اور اُس کے الفاظ پر اعتماد کرتے تھے اور اُس کے نام کے اقرار کو اپنی زِندگی کی بنیاد بنائے ہُوئے تھے۔ پس چونکہ اُنھوں نے اپنے آپ کو چٹان پر تعمیر کیا تھا اِس لئے وُہ خُود بھی چٹان کی مانند تھے نہ کہ ریت یعنی عام اِنسانی فِطرت کی مانند۔ لہٰذا اُن کو مسیح کی نئی جماعت کی بنیاد کے طور پر اِستعمال

پھر ہمارے کام کا خُدا ہی حافِظ ہے۔ وُہ پائیدار نہیں رہے گا۔ وُہ بارش، ہَوا اور طُوفان کا مُقابلہ نہیں کر سکے گا۔

یہ اُصُول کلیسیا کی زِندگی میں جو مسیح کے کلام اور اُس کی شخصیت کی مضبُوط چٹان پر تعمیر کی گئی ہے کِتنا اہم ہے۔ عالمگیر کلیسیا تمام تبدیلیوں کا مُقابلہ کرکے قائم رہی۔ ایک جماعت کے بعد دُوسری جماعت مسیح کے نام میں اُٹھی اور عارضی طور پر کلیسیا سے زیادہ کامیاب ہوتی نظر آئی۔ یہ عام طور پر کلیسیا میں پائے جانے والے نقائص کے باعث اُٹھیں اور اس کے اپنے فرائض میں کوتاہی کے باعث پھیل گئیں۔ لیکن اِن جماعتوں اور تنظیموں نے اِستقامت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یہ کِسی عظیم المیہّ سے برباد ہوئیں جبکہ صِرف ایک ایسی جماعت تھی جس نے متعدد انقلابات اور خطرات کے باوجُود پائیداری اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ یہ جماعت کلیسیا ہے جو یسُوع المسیح کے کلام کی بنیاد پر قائم ہوئی اور جس کی آبیاری متواتر رسُولوں نے کی۔ اِس میں اُس کی مُقرر کردہ پاک رسُوم ادا کی جاتی تھیں۔ یہ رسُولی روایات کو قائم رکھتی اور کلامِ پاک پر انحصار کرتی ہے۔

یہ ہے وُہ پرکھ جس سے اِستقامت ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں اِس کا اِطلاق اپنی زندگیوں پر کرنا چاہیئے۔ آزمائش اِنسان کو خُوب چھانتی اور پھٹکتی ہے۔ ہمارے اُصُول مختلِف طریقوں سے آزمائے جائیں گے۔ ضرُوری ہے کہ ہم اِن آزمائشوں میں کامیاب ہوں اور اپنی اخلاقی ہستی کو فتح سے ہمکنار کریں۔ لیکن یہ اُسی صُورت میں ممکن ہے جب کہ ہم پُورے دِل سے اپنی مرضی، اپنے میلان اور اپنی عقل میں مسیح اور اُس کے کلام کی طرف پھریں۔

"جب یسُوع نے یہ باتیں ختم کیں تو ایسا ہُوا کہ بھِیڑ اُس کی تعلیم سے حیران ہُوئی۔ کیونکہ وُہ اُن کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ

کیا جا سکتا تھا۔ جب اُن کی وفاداری پر حالات کا خاص دباؤ پڑا تو مسیح نے اپنے شاگردوں سے ایک اہم سُوال پُوچھا۔ پطرس نے اِس کا عظیم جواب دیا: "تُو زندہ خُدا کا بیٹا مسیح ہے۔" تب گویا اطمینان کا سانس لیتے ہُوئے ہمارا خُداوند اُس کی طرف مُڑا اور اُسے عظیم کلماتِ برکت سے نوازا:

"مُبارک ہے تُو شمعُون بریوناہ کیونکہ یہ بات گوشت اور خُون نے نہیں بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کی ہے۔ اور مَیں تجھ سے کہتا ہُوں کہ تُو پطرس ہے اور مَیں اِس پتھر پر اپنی کلیسیا بناؤں گا اور عالمِ ارواح کے دروازے اُس پر غالب نہ آئیں گے"

(متّی ۱۶ : ۱۷)۔

یُوں خُداوند نے جو تعلیم دی اُسے اپنے عملوں سے بھی ظاہر کیا۔ وُہ چاہتا ہے کہ اِنسان چٹان تک کھود کر اُس پر اپنی رُوحانی عمارت تعمیر کرے۔ چٹان کیا ہے؟ چٹان مسیح کی اپنی شخصیت اور اپنے کلام کے عِلاوہ اَور کوئی نہیں۔ اگر ہم اُس کا کلام سُنیں لیکن اُس کی تعلیم کو دِل میں جگہ نہ دیں اور نہ اُس پر عمل کریں تو ہم ناحق مسیحی ہیں اور حقیقتاً ایسا مکان تعمیر کرتے ہیں جو ریت پر بنا ہے۔

رُوحانی عمارت کی پائیداری کا اُس وقت پتہ چلتا ہے جب اُسے زبردست طوفانوں اور تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہمارے تیز رفتار زمانہ کے لئے۔ جو ابتدائی بنیادی کام اور خاموشی سے تیاری کرنا پسند نہیں کرتا ایک عظیم سبق ہے۔

یہ ہماری زِندگی کی رُوحانی عمارت، نیز اُن رُوحانی کاموں کے بارے میں جن میں ہم مصرُوف ہیں ایک بھاری سُوال ہے: کیا ہم نے چٹان تک پہنچنے کے لئے گہری کھدائی کی ہے یا پختہ بنیاد کا خیال نہ کرکے جلد نتائج کو ترجیح دی ہے؟ کیا ہم مسیح کے الفاظ ناقابلِ عمل سمجھ کر کسی کم معیار پر مُطمئن رہے؟ اگر ایسا ہی ہو تو

اِختیار کی طرح اُن کو تعلیم دیتا تھا" (متّی ۷: ۲۸-۲۹)۔

اب ہم اِس عظیم وعظ کے اختتام پر پہنچ گئے ہیں۔یہ مسیحیت کی پُوری تعلیم نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ فرض کر لیتے ہیں۔ ہم دیکھ چُکے ہیں کہ پہاڑی وعظ دو۲ بنیادی تعلیمات پیش کرتا ہے۔ پہلی مسیح کی اُلُوہیت اور دُوسری اِنسانی طبیعت میں بگاڑ۔ یہ مسیحیت کی پُوری تعلیم کا احاطہ نہیں کرتا۔ یہ اگرچہ احساسِ گُناہ پیدا کر کے اور مزید گہرا کر کے ہمیں کفّارہ کی ضرُورت کا اِحساس دِلاتا ہے تو بھی یہ ہمیں اُس کفّارہ کے بارے میں تعلیم نہیں دیتا جِس کے ذریعہ خُداوند نے دُنیا کے گناہوں کی تلافی کر کے ہمارا آسمانی باپ سے میل ملاپ کرایا۔لیکن دُوسرے لحاظ سے ایسا کفّارہ جو محض ہمارے گزشتہ گُناہوں کا مداوا کرتا ہے حقیقی علاج نہیں ہو سکتا۔ یہ ہمیں ویسا ہی کمزور رہنے دے گا جیسے کہ ہم پہلے تھے۔ ہم صِرف اُس صُورت میں ہی مطمئِن ہو سکتے ہیں جب کہ ہمیں گُناہ پر غالب آنے کی قُوت عطا کی جائے۔ یہ پہاڑی وعظ کا ایک بڑا مقصد ہے۔ اگرچہ وُہ ہمیں پوری تعلیم پیش نہیں کرتا تو بھی وُہ اُس عظیم قوت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو خُدا نے اپنے رُوح کو بھیج کر اپنے لوگوں کے دِلوں میں ڈالی ہے۔ یہ مسیح جیسی عظیم قوت مسیحیت کا حقیقی جوہر ہے۔ باقی تمام باتیں اُس کی تیاری ہیں۔

اپنی زِندگی میں خُدا کا اخلاقی اور رُوحانی مقصد پُورا کرنا یہ مسیحیت کی پرکھ ہے۔ ہمارا اپنے عقیدے پر قائم رہنا اور پاک رسُوم کی ادائیگی کو صِرف اِسی ایک کسوٹی سے پرکھا جا سکتا ہے کہ آیا وُہ ہم میں مسیحی کردار کو پیدا کرتے ہیں یا نہیں ؟ ہمارا کردار، موت کے بعد پاک صاف اور کامل کیا جائے گا لیکن یہاں، اِسی زمین پر ہم اُس کی بُنیاد کو گہرا اور مضبُوط بنائیں اور دکھائیں کہ اُس کی قوّت ہماری تمام شخصیت میں سرایت کر گئی ہے۔ کیا مَیں مسیح کی

مانند بن رہا ہُوں ؟ یہی وُہ کسوٹی ہے جِس پر ہمیں اپنے آپ کو پرکھنا ہے۔
اُس دِن بہت سے لوگ اپنی راسخ الاِعتقادی اور اپنی پاک رسُوم کی ادائیگی اور اپنی خدمت میں شان دار کامیابی کی فہرست لے کر اُس کے پاس آئیں گے لیکن وُہ اُن سے کہے گا "مَیں تمہیں نہیں جانتا"۔ وُہ کِسی ایسے شخص کو نہیں جان سکتا جِس میں وُہ اپنا عکس یا اپنی شکل نہ پہچانتا ہو۔